شرح

اربعین نووی

تالیف

ابوزکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی رحمہ اللہ

۶۳۱ھ — ۶۷۶

ترجمہ و فوائد

پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

شرح اربعین نووی

جملہ حقوق اشاعت برائے دارالسلام محفوظ ہیں

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
○ ریاض ○ جدہ ○ الخبر ○ شارجہ ○ لاہور
○ لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

DARUSSALAM

243.9

ہیڈ آفس پوسٹ بکس 22743، الریاض 11416 سعودی عرب فون 4033962-4043432 (009661)
فیکس 4021659 ای میل Darussalam@naseej.com.sa
بک شاپ فون 4614483 فیکس 4644945
جدہ فون وفیکس 6807752 الخبر فون 8692900 فیکس 8691551
شارجہ فون 5632623 (00916) فیکس 5632624

پاکستان ☆50 لوئر مال نزد ایم۔اے۔او کالج لاہور فون 7232400 - 7240024 (42 0092)
فیکس 7354072 ای میل darussalam@mail.com
☆ رحمان مارکیٹ' غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور فون 7120054 فیکس 7320703
لندن ، التھامسٹو برانچ فون 5202666 (208 0044) فیکس 5217645 ریجنٹ پارک برانچ فون 207 7243363
ہیوسٹن فون 7220419 (713 001) فیکس 7220431 ای میل darsalam@dar-us-salam.com.
Website: http://www.dar-us-salam.com
نیویارک فون 5925 625 (001718)

ⓒ مكتبة دار السلام، ١٤٢٣ هـ
فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
النووي. أبو زكريا بن شرف
شرح الاربعين النووية - الرياض.
٢٢٤ ص، ٢١ سم ردمك: ×-٨٣-٨٦١-٩٩٦٠
(النص باللغة الاوردية)
١-الحديث - شرح -٢ الحديث الصحيح أ- العنوان
ديوي ٢٣٧،٧ ٢٣/٤٠١١
رقم الإيداع: ٢٣/٤٠١١
ردمك: ×-٨٣-٨٦١-٩٩٦٠

شرح
اربعین نووی

تالیف

ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الدمشقی رحمہ اللہ

۶۳۱ھ — ۶۷۶

ترجمہ و فوائد

پروفیسر سعید مجتبیٰ سعیدی

دارالسلام

کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ

○ ریاض ○ جدہ ○ الخبر ○ شارجہ ○ لاہور
○ لندن ○ ہیوسٹن ○ نیویارک

بسم الله الرحمن الرحيم

17718

فہرست مضامین

عرض ناشر 8
مقدمہ امام نووی رحمہ اللہ 10
کچھ اربعین نووی کے بارے میں 13
تذکرہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ 16
اصلاحِ نیت کی ضرورت و اہمیت 21
نیت کی درستی اور خرابی سے کیا مراد ہے؟ 22
اسلام' ایمان اور احسان کے مفاہیم 26
فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا 30
وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ 30
پہلا سوال : ارکانِ اسلام 31
دوسرا سوال : عقائدِ اسلام 31
اسلام اور ایمان 31
تیسرا سوال : احسان 32
چوتھا سوال : قیامت کب آئے گی 33
پانچواں سوال : علامات قیامت 34
حدیث جبریل کی اہمیت 35
ارکانِ اسلام 35
اسلام کا پہلا رکن: توحید و رسالت کا اقرار 36
اسلام کا دوسرا رکن : اقامت صلوٰۃ 36
اسلام کا تیسرا رکن : زکوٰۃ 37
اسلام کا چوتھا رکن : حج 38
اسلام کا پانچواں رکن : رمضان کے روزے 38
انسان کے تخلیقی مراحل اور انجام آخرت 39
مذمت بدعت 45
حلال' حرام اور اصلاحِ قلب 48
وجوہِ اشتباہ 50
اخلاص' خیر خواہی' وفاداری 52
اللہ تعالیٰ کے حق میں نصیحت 54
کتاب اللہ کے حق میں نصیحت 54
رسول کے حق میں نصیحت 54
ائمہ مسلمین کے حق میں نصیحت 54
عامۃ المسلمین کے حق میں نصیحت 54
تحفظ جان و مال مسلم 55
اطاعت رسول کی فرضیت اور کثرت سوالات کی ممانعت 59
اکل حلال کی اہمیت اور کسب حرام..... 63
اجتناب شبہات 66
مسلمانوں کا غیر متعلق اُمور سے اجتناب..... 68
اسلامی اخوت' تکمیل ایمان 71
خون مسلم کی حرمت اور جواز قتل کی..... 74
الثیب الزانی 76
قصاص 76

ارتداد	77
اسلامی آدابِ معاشرت	77
قول خیر یا خاموشی	78
اکرام الجار	80
اکرام الضیف	82
غصہ سے ممانعت	84
ہر کام سلیقے سے اور ہر ایک سے.....	87
احسان	88
احسان کی اہمیت	88
احسان فی القتل	89
احسان بالذبیحہ	89
تقویٰ اور حسن اخلاق	90
تقویٰ	91
توبہ	93
توبہ کی قبولیت کی شرائط	95
حسن اخلاق	95
تقدیر اور توکل	97
پہلی نصیحت : اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت	100
وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ	103
وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ	106
توکل علی اللہ	108
ازالۂ مشاکل	109
تقدیر، صبر	109
شرم و حیا جزو ایمان ہے	109
حیا	110
اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی	112
واقعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ	116
فرائض اور حلال و حرام کا التزام	120
أَحْلَلْتُ الحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الحَرَامَ	122
وضو، ذکر، نماز، صدقہ، صبر اور قرآن کے فضائل	122
طہارت	125
ذکر الٰہی	127
نماز	128
صدقہ	129
صبر	130
صبر کی تین قسمیں ہیں	130
حرمت ظلم اور حقیقت توحید	131
حرمت ظلم	135
ہدایت	137
رزق	139
لباس	140
استغفار	141
کلمۂ استغفار	142
سید الاستغفار	143
صدقہ کا حقیقی مفہوم	145
ہر نیکی صدقہ ہے	147
نیکی اور گناہ کی پہچان	152
وجوب التزام سنت	156

تقویٰ	158
اطاعت امیر	158
اتباع سُنّت	160
اطاعت خلفائے راشدین	160
بدعت کی مذمت اور اس سے احتراز	160
ابواب الخیر	160
ابواب الخیر یعنی نیکی کے دروازے	163
روزہ	163
صدقہ	164
قیام اللیل	164
حفاظت زبان	164
شرعی احکام کی اقسام	165
فرائض	166
حدود	168
محرمات	168
مسکوت عنہا	170
زہد کی حقیقت و فضیلت	171
ضرر رسانی اور بطور انتقام ضرر سے احتراز	174
اثبات دعویٰ	178
امر بالمعروف و نہی عن المنکر	180
اسلامی معاشرت کے اصول	185
حسد	187
تناجش	188
بغض	189
تدابر	190
کسی کی بیع پر بیع کرنا	191
اخوت	191
حسن معاشرت، تیسیر، ستر عیوب، طلب علم اور عمل کی فضیلت	192
خدمت خلق	194
تنگدست پر آسانی کرنا	194
عیب پوشی	196
بھائی کی مدد	196
فضیلت طلب علم	197
اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن	198
صرف اعمال ہی ذریعہ نجات ہیں	199
اللہ تعالیٰ کا فضل اور اسکی وسعت رحمت	200
فرائض اور نوافل اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کا ذریعہ ہیں	206
فرائض کی اہمیت	208
نوافل کا درجہ	209
نتیجہ	210
خطا، نسیان اور جبر و اکراہ کی معافی	210
خطا	211
نسیان	212
مجبوری کی صورت میں کئے گئے عمل	213
دنیا کی بے ثباتی	215
اطاعت رسول، ایمان کی علامت ہے	219
توبہ کی فضیلت اور رحمت الٰہی کی وسعت	222

عرض ناشر

اربعین نویسی، علوم حدیث کی علمی دلچسپیوں کا ایک مستقل باب ہے۔ تذکرہ نگاروں کی روایات اور مؤرخین حدیث کی تفصیلات کے مطابق عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ پہلے محدث ہیں جنہوں نے اس فن پر پہلی اربعین مرتب کرنے کی سعادت حاصل کی۔ بعدازاں علم حدیث، حفاظت حدیث، حفظ حدیث اور عمل بالحدیث کی علمی اور عملی ترغیبات نے اربعین نویسی کو ایک مستقل شعبۂ حدیث بنادیا۔ اس ضمن میں کی جانے والی کوششوں کے نتیجے میں اربعین کے سینکڑوں مجموعے اصول دین، عبادات، آداب زندگی، زہد و تقویٰ اور خطبات و جہاد جیسے موضوعات پر مرتب ہوتے رہے۔ ان میں سے ستر مجموعوں کا تذکرہ صرف ایک مستند چھ جلدوں پر مشتمل کتاب "کشف الظنون" میں ملتا ہے۔ برصغیر میں بھی اربعین نویسی کا ذوق رہا ہے اور اس ضمن میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی تک اربعین کے بہت سے مجموعے ہمارے سامنے ہیں۔ اس سلسلۂ سعادت میں ایک معتبر اور نمایاں نام ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، جن کی اربعین اس سلسلے کی سب سے ممتاز تصنیف ہے۔

اربعین نویسی کے بارے میں جو روایات ملتی ہیں وہ ہرچند اسانید کے لحاظ سے ضعیف ہیں مگر عمل بالحدیث کے نقطۂ نظر سے ان مرتبات میں بہت مفید لوازمہ فراہم کیا گیا ہے۔ بالتخصیص امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اربعین میں اس امر کا التزام کیا ہے کہ تمام تر منتخب احادیث روایت اور سند کے اعتبار سے درست ہوں۔

ان منتخبہ احادیث کو اساسیات دین کی حیثیت حاصل ہے۔ گویا یہ کسی ایک موضوع پر مجموعۂ حدیث کی بجائے دین و شریعت کے تمام اہم پہلوؤں پر ایک معیاری اور مستند انتخاب ہے۔ یہ انتخاب اس اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے فہم اور عمل سے دین کے بیشتر تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور اس سے ایک دینی ذوق اور پاکیزہ سیرت کی آبیاری کی جا سکتی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اربعین میں اس امر کی کوشش کی ہے کہ بیشتر احادیث صحیح بخاری

اور صحیح مسلم سے ماخوذ ہوں۔ یوں قارئین کے لیے یہ اعتماد کی بات ہے کہ تمام تر احادیث سنداً صحیح ہیں۔ اپنی حسن ترتیب کے لحاظ سے مذکورہ امتیازات کے باعث یہ مجموعۂ اربعین عوام و خواص میں قبولیت کا حامل ہے۔ انہی خصائص کی بنا پر اہل علم نے اس کی متعدد شروحات' حواشی اور تراجم کیے ہیں۔ عربی اور فارسی کی طرح اردو زبان میں بھی اس کی شروحات ملتی ہیں۔ مگر اس اربعین کی افادیت اس بات کا تقاضہ کرتی تھی کہ اس کی ایک جامع' محقق اور مستند شرح اردو زبان میں لکھی جائے جس سے علم و عمل کے متلاشیوں کو پیغام حق میسر آ سکے۔ محترم سعید مجتبیٰ سعیدی حفظہ اللہ نے اس ضرورت کو بڑے عالمانہ انداز میں ایک شگفتہ اسلوب کے ساتھ پورا کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

علم الحدیث اور عمل بالسنہ کے شائقین اس امر سے آگاہ ہیں کہ امام نووی رحمہ اللہ فن حدیث میں کس درجہ رسوخ کے حامل تھے۔ انہوں نے اپنے بچپن سے وفات تک کی پینتالیس سالہ زندگی جس علم و تقویٰ اور زہد و ورع سے بسر کی' اس کے اثرات ان کی تصنیفات میں نمایاں ہیں۔ آپ علوم اسلامی میں دستگاہ کامل رکھتے تھے' جس کا بہترین اظہار صحیح مسلم کی اس شرح سے ہوتا ہے جو اہل علم میں استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ "الاربعین" کے علاوہ ان کی بیس کے قریب دیگر علمی تصنیفات ان کے عالمانہ قد و قامت کو متعین کرتی ہیں۔

ادارہ دارالسلام اس عظیم محدث کی معروف "الاربعین" کی تازہ اردو شرح کو جس متنی اور طباعتی معیار کے ساتھ پیش کر رہا ہے' اس کے باوصف ہمیں امید واثق ہے کہ اس کاوش کو اہل علم' علماء' دینی مدارس کے شیوخ اور سکولوں' کالجوں اور جامعات کے اساتذہ میں ان شاء اللہ العزیز پذیرائی ملے گی۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو عامۃ المسلمین کے لیے نافع اور مفید بنائے اور مرتب' مترجم' شارح' ناشر اور منتظمین کی حسنات میں شمار کرے۔ آمین یا رب العالمین.

عبدالمالک مجاہد

دارالسلام' ریاض - لاہور

ربیع الاول 1423ھ / جون 2002ء

مقدمہ امام نووی رحمہ اللہ

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ ﴾ (الحشر ۵۹/ ۷)

”اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو۔“

أما بعد :

حضرات علی بن ابی طالب‘ عبداللہ بن مسعود‘ معاذ بن جبل‘ ابودرداء‘ ابن عمر‘ ابن عباس‘ انس بن مالک‘ ابوہریرہ‘ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم سے بہت سی اسناد کے ساتھ مختلف روایات میں ہے‘ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص میری امت کے لئے امورِ دین سے متعلق چالیس احادیث حفظ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے قیامت کے دن فقہاء اور علماء میں سے اٹھائے گا۔“

ایک دوسری روایت میں ہے ”اللہ تعالی اسے فقیہ عالم کی صورت میں اٹھائے گا“ اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے ”میں اس کے لئے سفارشی اور گواہ ہوں گا“ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں یوں ہے ”اسے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازہ سے چاہو داخل ہو جاؤ۔“ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے۔ ”اس کا شمار علماء کی جماعت میں اور حشر شہداء کی جماعت میں ہو گا۔“ ماہرینِ حدیث کا اتفاق ہے کہ کثرت اسانید کے باوجود یہ حدیث ضعیف ہے مگر پھر بھی اہل علم نے اس سلسلہ میں بے شمار تصنیفات کی ہیں۔ میرے علم کے مطابق سب سے پہلے اس بارے میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب تصنیف کی۔

ان کے بعد عالم ربانی ابن اسلم طوسی‘ حسن بن سفیان نسائی‘ ابوبکر آجری‘ ابوبکر بن ابراہیم اصفہانی‘ دار قطنی‘ حاکم‘ ابونعیم ابو عبدالرحمٰن السلمی‘ ابو سعید المالینی‘ ابو عثمان الصابونی‘ عبداللہ بن محمد الانصاری اور ابوبکر البیہقی اور دیگر بہت سے متقدمین و متاخرین علماء نے تصنیفات کیں۔

انہی بزرگ ائمہ اور حفاظ کی اقتداء کرتے ہوئے میں نے بھی چالیس احادیث جمع کرنے کے بارے میں اللہ تعالی سے استخارہ کیا' اہل علم کا اتفاق ہے کہ فضائل اعمال سے متعلقہ احادیث خواہ ضعیف بھی ہوں ان پر عمل کرنا جائز ہے [1] مگر میرا اعتماد محض مذکورہ بالا ضعیف حدیث ہی پر نہیں بلکہ صحیح احادیث میں وارد آنحضرت ﷺ کے اس قول پر ہے۔

آپ نے فرمایا:

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ»(صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ «رب مبلغ أوعى مَن سامع»، ح: ٦٧ وصحيح مسلم، القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء . . .، ح: ١٦٧٩)

"تم میں سے جو موجود ہے وہ ان لوگوں کو احادیث و احکام پہنچادے جو یہاں موجود نہیں۔"

اسی طرح آنحضرت ﷺ کا ایک اور فرمان بھی ہے:

«نَضَّرَ اللهُ امْرَأً سَمِعَ مِنَّا حَدِيثاً فَحَفِظَهُ حَتَّى يُبَلِّغَهُ»(سنن أبي

---

[1] امام نووی رحمہ اللہ کا یہ قول محل نظر ہے' ضعیف روایت مطلقاً ناقابل عمل ہے۔ خواہ اس کا تعلق احکام سے ہو یا فضائل اعمال سے اور یہی راجح ہے کیونکہ جب اس کی نسبت ہی رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہ ہوئی تو خواہ مخواہ ظن مرجوح کی بناء پر اس کو عقیدہ و عمل میں لانا درست نہیں۔ ان الظن لایغنی من الحق شیئًا۔

بعض کبار محدثین نے بیت عنکبوت کی مانند اس کمزور موقف کی بڑے سخت انداز میں تردید کی ہے' لہٰذا اہل علم کی ذمہ داری ہے کہ اگر کوئی روایت ضعیف ہو تو بیان کرتے وقت اس کے ضعف کی نشاندہی ضرور کریں۔ وگرنہ عنداللہ گناہ گار ہوں گے۔ جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ صحیح مسلم کے مقدمہ میں بایں الفاظ رقم طراز ہیں۔ ((كَانَ آثِمًا بِفِعْلِهِ ذٰلِكَ' غَاشًّا لِعَوَامِّ الْمُسْلِمِينَ)) "وہ اپنے اس فعل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں گناہ گار اور عامۃ المسلمین کا خائن متصور ہو گا۔" اور جو شخص جانتے بوجھتے ضعیف روایت پر عمل پیرا ہو وہ اس سے کہیں زیادہ قابل مذمت اور مستحق وعید ٹھہرتا ہے۔

مذکورہ بالا یہی موقف امام ابن حزم' شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہما اللہ اور بعض دیگر متقدمین و متاخرین محققین کا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیں: مقدمۃ صحیح مسلم ص ۱۹' طبع دارالسلام' قواعد التحدیث للقاسمی: ۱۱۳' القاعدۃ الجلیلۃ ص ۸۴' صحیح الجامع' للالبانی' ۴۶/۱۔

داود، العلم، باب فضل نشر العلم، ح: ٣٦٦٠ وجامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في الحث على تبليغ السماع، ح: ٢٦٥٦ وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب من بلغ علما، ح: ٢٣٠)

"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہماری بات (حدیث) سنی' اسے بعینہٖ یاد رکھا اور پھر اسے دوسروں تک پہنچایا۔"

کچھ علماء نے اصول دین کے بارے میں چالیس احادیث جمع کیں تو بعض نے فروع کے متعلق۔ بعض نے جہاد کے متعلق تو بعض نے زہد کے بارے میں۔ بعض نے آداب کے بارے میں تو بعض نے خطبوں پر مشتمل احادیث جمع کیں۔

یہ تمام اچھے مقاصد ہیں اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات سے راضی ہو۔ میں نے ان موضوعات سے ہٹ کر چالیس مختلف احادیث جمع کرنے کا سوچا یہ چالیس احادیث (مذکورہ بالا) تمام امور پر مشتمل ہیں اور ان میں سے ہر حدیث دین کے بنیادی قواعد میں سے ایک قاعدہ اور اصول ہے اور ان میں سے ہر حدیث کے متعلق اہل علم نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اس حدیث پر اسلام کا دارومدار ہے' یہ حدیث نصف اسلام ہے' یہ حدیث اسلام کا ثلث (۱/۳) ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

نیز میں ان چالیس احادیث میں ان کی صحت کا بھی التزام کروں گا۔ ان میں سے اکثر صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ہیں۔ میں ان کی سندیں حذف کروں گا تاکہ انہیں یاد کرنا آسان ہو اور ان سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جا سکے۔ پھر احادیث کے بعد ایک باب میں ان میں وارد مشکل الفاظ کا تلفظ ضبط کروں گا۔

ہر وہ شخص جو آخرت میں کامیابی حاصل کرنا چاہتا ہے اسے چاہیے کہ وہ ان تمام احادیث اور ان میں ذکر کردہ مسائل' احکام اور آداب سے واقف ہو۔

میرا توکل اللہ تعالیٰ ہی پر ہے اور میں اپنے جملہ معاملات اسی کے سپرد کرتا ہوں۔ ہر حال میں اسی کی تعریف اور اس کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف ہے۔ نیکی کرنے اور برائی سے بچنے کی توفیق سب اسی کی طرف سے ہے۔

کچھ اربعین نووی کے بارے میں

کتب حدیث کی مختلف اقسام ہیں۔ ان میں سے ایک قسم ''الاربعین'' ہے۔ ایسی کتاب میں چالیس احادیث بیان کی جاتی ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ کے بقول ''اربعین نویسی'' میں اولیت کا شرف عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کو حاصل ہے۔ ان کے بعد بہت سے علماء، محدثین اور ائمہ کرام نے چالیس حدیثوں کے مجموعے مرتب کیے۔ حاجی خلیفہ نے ''کشف الظنون'' میں اس قسم کے ستر (۷۰) مجموعے اور ان کے مؤلفین کے نام لکھے ہیں۔ اہم اربعین کے چند مصنّفین کے نام درج ذیل ہیں۔

① عبداللہ بن مبارک ② محمد بن اسلم الطوسی ③ حسن بن سفیان ''النسوی'' ④ ابوبکر الآجری ⑤ ابوبکر محمد بن ابراہیم، الاصفہانی ⑥ امام دار قطنی ⑦ امام حاکم ⑧ ابو نعیم ⑨ ابو عبدالرحمٰن السلمی ⑩ ابو سعید المالینی ⑪ ابو عثمان الصابونی ⑫ عبداللہ بن محمد الانصاری ⑬ امام ابوبکر البیہقی ⑭ ابوالقاسم القشیری ⑮ ابو منصور الشحامی ⑯ ابن عساکر ⑰ ابو طاہر السلفی ⑱ حافظ ابن حجر العسقلانی ⑲ امام نووی ⑳ عبدالرحمان جامی (مع فارسی ترجمہ) ㉑ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ㉒ اربعین جامی مع اردو ترجمہ منظوم، مولانا ظفر علی خان ㉓ اربعین فیضانی مع اردو ترجمہ منظوم، مرزا عزیز فیضانی ㉔ اربعین ثنائیہ، مولانا ثناء اللہ امرتسری ㉕ اربعین نبویہ، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی ㉖ جوامع الکلم، مولانا مفتی محمد شفیع ㉗ چالیس احادیث، خواجہ عبدالحی فاروقی ㉘ خذوا عنا اربعین حدیثا فی من لیس منا، مولانا عنایت اللہ اثری وزیر آبادی ㉙ شمس الدین الجزری ㉚ بستان الاربعین، مولانا محمد صادق سیالکوٹی

تمام اربعینات میں سے حافظ ابوطاہر السلفی کی ((الاربعون البلدانية)) اہل علم کے ہاں کافی مشہور رہی۔ انہوں نے اس میں چالیس مختلف شہروں کے چالیس محدثین کی چالیس چالیس احادیث بیان کی ہیں۔ ابن عساکر کی ((الاربعون الطوال)) کو بھی خاصی شہرت ملی۔

اربعین نووی کی خصوصیات

امام نووی رحمہ اللہ سے قبل اگرچہ چہل احادیث کے بہت سے مجموعے مرتب ہو چکے تھے تاہم امام موصوف نے بھی ''الاربعین'' کے سلسلہ میں وارد فضیلت کے حصول کے لئے یہ مجموعہ مرتب کیا۔ آپ نے اپنے اس مجموعہ میں مندرجہ ذیل باتوں کا خصوصی التزام کیا ہے۔

① اس میں مذکور تمام احادیث سنداً صحیح ہیں اور اکثر صحیحین کی ہیں۔
② اس مجموعہ میں صرف احادیث کے متن بیان کئے گئے ہیں اور اسانید کو حذف کر دیا گیا ہے اس طرح اس کا زبانی یاد کرنا سہل ہو گیا ہے۔
③ اس میں وہی احادیث بیان کی گئی ہیں جنہیں دین میں اساسی حیثیت حاصل ہے۔
④ یہ تمام احادیث اس قدر اہم ہیں کہ ایک مسلمان کیلئے ان کا جاننا ازحد ضروری ہے۔

اربعین نووی کی مقبولیت

امام نووی رحمہ اللہ کو اخلاص نیت کا صلہ یہ ملا کہ چالیس احادیث کے تمام مجموعوں میں سے امت میں سب سے زیادہ مقبولیت آپ کے مجموعہ کو حاصل ہوئی۔ یہ کتاب بالعموم مدارس دینیہ، کالجوں اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں شامل رہی۔ اس کی جامعیت اور افادیت کے پیشِ نظر اکابر اہل علم نے اس کی شرحیں لکھیں، حواشی تحریر کئے، عربی، فارسی اور اردو میں منظوم اور رواں زبان میں تراجم کئے گئے۔ اس کی بعض شروح و حواشی مندرجہ ذیل ہیں۔

① جامع العلوم والحکم، لابن رجب الحنبلی۔
② شرح الاربعین، لابن دقیق العید۔
③ شرح لابن حجر المکی۔
④ المبین المعین لفهم الاربعين، ملا علی قاری۔
⑤ الفتح المبين لابن حجر العسقلانی۔

۶ شرح ھاشم بن شیخ محمد التسمات المصری۔

۷ شرح اربعین' للعلامہ عزیز زبیدی۔

۸ شرح اربعین' پروفیسر غلام احمد حریری

۹ شرح اربعین نووی' پروفیسر عبدالحفیظ و پروفیسر ظفر اقبال۔

۱۰ چالیس احادیث' اردو ترجمہ' پروفیسر سعید مجتبیٰ السعیدی۔

نوٹ : "الاربعین" میں چالیس احادیث ہوتی ہیں لیکن امام نووی نے عام دستور سے ہٹ کر اس مجموعہ میں بیالیس احادیث جمع کی ہیں۔

تذکرہ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ

﴿۶۳۱ھ ----- ۶۷۶ھ﴾

امام صاحب موصوف کو اللہ کریم نے گونا گوں اوصاف سے نوازا تھا۔ آپ بلند علمی مرتبہ کے حامل تھے۔ اہل علم نے آپ کو "الامام" "الحافظ" "شیخ الاسلام" اور "محی الدین" جیسے عظیم القابات سے موصوف کیا ہے۔

نام و نسب اور کنیت: آپ کی کنیت ابو زکریا اور پورا نام یحیٰ بن شرف بن مری بن حسن بن حسین بن محمد بن جمعہ بن حزام ہے۔

تاریخ ولادت و مولد: آپ محرم ۶۳۱ھ کو دمشق کے نواحی گاؤں "نویٰ" میں پیدا ہوئے۔

نووی کی وجہ انتساب: اسی گاؤں کی نسبت سے آپ کو "نووی" یا "نواوی" کہتے ہیں آپ نام سے زیادہ اسی نسبت سے معروف ہیں۔

بچپن اور تعلیم: نیک سرشت والدین کی سرپرستی میں آپ اسلامی انداز پر پروان چڑھے۔

کرامت: ان کے والد کا بیان ہے کہ ان کی عمر سات برس تھی۔ ستائیس رمضان کی شب کو یہ میرے ساتھ سوئے ہوئے تھے کہ آدھی رات کو بیدار ہو گئے' کہنے لگے: اباجان! یہ کیسی روشنی ہے جو سارے گھر میں پھیلی ہوئی ہے' سب گھر والے بیدار ہو گئے' کسی کو کچھ نظر نہ آیا۔ کہتے ہیں ان کی اس بات سے ہمیں یقین ہو گیا کہ آج شب قدر ہے۔ آپ بلوغت سے قبل ہی قرآن کریم حفظ کر چکے تھے۔ شب و روز تلاوتِ قرآنِ پاک میں مصروف رہتے۔ آپ کو تلاوت اور حصولِ علم کا بڑا شوق تھا آپ کو کھیل کود سے شدید نفرت تھی۔

امام صاحب کے شیخ یاسین بن یوسف الزرکشی کا بیان ہے' ان کی عمر دس برس تھی میں نے انہیں "نویٰ" میں دیکھا کہ بچے انہیں کھیلنے پر مجبور کرتے اور یہ روتے ہوئے ان سے دور بھاگ جاتے اور اس حال میں بھی تلاوت کرتے۔ ان کی معصومیت اور قرآن کی محبت دیکھ کر ان کی محبت میرے دل میں گھر کر گئی۔ میں نے ان کی یہ حالت دیکھ کر ان کے قرآن پڑھانے والے استاذ سے جاکر سفارش کی کہ اس بچے کا خصوصی خیال رکھا کریں' امید ہے یہ بچہ اپنے زمانے کا بہت بڑا عالم اور زاہد ہو گا۔ اور لوگ اس کے علم سے فائدہ اٹھائیں گے۔ استاذ نے مجھ سے کہا: کیا آپ نجومی ہیں؟ میں نے کہا: نجومی تو نہیں' اس کے آثار ہی کچھ ایسے ہیں۔ اور یہ باتیں مجھ سے اللہ تعالیٰ نے کہلوائی ہیں۔ استاذ نے ان باتوں کا ذکر ان کے والد سے کر دیا اور انہوں نے بھی ان پر بھرپور توجہ دی۔

آپ کو چونکہ حصولِ علم کا شغف انتہائی زیادہ تھا۔ آپ نے بچپن ہی میں فقہ کی بعض کتابیں پڑھ لی تھیں۔ آپ کے والد نے جب آپ کی قوتِ حافظہ اور تحصیل علم کا شوق دیکھا تو آپ کو اعلیٰ تعلیم دلوانے کے لیے ۶۳۹ھ کو علم اور اہلِ علم کے مرکز دمشق لے آئے' اور آپ کو ایک مدرسہ میں داخل کرا دیا۔ وہاں آپ نے فقہ شافعی کا بنظر غائر مطالعہ کیا اور بعض کتابیں زبانی یاد کر لیں۔ آپ نے اس مدرسہ میں قیام کے دوران خوب محنت کی اور کبھی بھی جی بھر کر نہ سوئے۔ آپ نے دیگر اہلِ علم کے علاوہ دمشق کے سب سے بڑے فاضل علامہ کمال الدین المغربی سے خوب استفادہ کیا۔

تنگدستی و سادگی: آپ نے طالب علمی کا زمانہ بڑی تنگدستی کے عالم میں بسر کیا' لیکن طلب حدیث اور حصولِ علم کے شوق میں یہ سب کچھ بخوشی برداشت کیا۔ آپ کو کھانے کی پروا ہوتی نہ لباس کی۔ جو لباس ملتا زیب تن فرما لیتے اور جو میسر ہوتا صبر شکر کر کے کھا لیتے۔

آپ کا اکثر وقت مطالعہ کتب' عبادت' ریاضت اور اوراد و وظائف میں صرف ہوتا' دن رات حتی کہ راہ چلتے بھی اپنا وقت ضائع نہ کرتے۔ سادگی اس قدر تھی کہ اہتمام سے غسل کی خاطر کبھی حمام کا رخ نہ کیا۔ آپ کے ایک ساتھی رشید بن معلم کہتے ہیں کہ میں نے محض اس لیے ان سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ آپ غسل کے لیے حمام نہ جاتے اور

خوراک و لباس کا اہتمام نہ کیا کرتے تھے۔ پھل اور خیار (کھیرا) کھانے سے احتراز کرتے۔ فرمایا کرتے تھے مجھے خطرہ ہے کہ ان چیزوں کے کھانے سے جسم میں تراوت آ جائے گی اور مجھے نیند زیادہ آنے لگے گی۔ دن رات میں صرف ایک بار سحری کے وقت کھانا تناول فرماتے۔ آپ تکلفات سے مکمل طور پر پرہیز کرتے۔ اہلِ شام برف استعمال کیا کرتے تھے لیکن آپ نے کبھی برف استعمال نہ کی۔ آپ زندگی بھر مجرد رہے اور شادی نہ کی۔ آپ کے لیے کثرتِ مطالعہ اور عبادت میں انہماک کی وجہ سے دوسرے امور کی طرف توجہ دینا مشکل تھا۔

۶۵۰ھ میں والد کے ہمراہ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لے گئے تحصیل علم سے فراغت کے بعد اپنی مادرِ علمی ہی میں بطور استاذ و مدرس تعینات ہوئے۔

مسلک: آپ اگرچہ شافعی المذہب تھے تاہم متعصب بالکل نہ تھے۔ آپ نے اپنی تصنیفات میں حنفی فقہاء کے اقوال بکثرت نقل کیے ہیں۔ جہاں کہیں فقہ شافعی کا کوئی مسئلہ دلائل کے اعتبار سے کمزور نظر آیا آپ نے اسے چھوڑ کر راجح اور صحیح مسلک کو اختیار کر لیا۔

آپ کی تصنیفات کی خصوصیت: آپ یگانۂ روزگار فاضل تھے۔ جملہ علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے۔ آپ نے مسلمانوں کی راہنمائی اور افادہ کے لیے نفیس اور بیش قیمت علمی کتب تصنیف کیں۔ آپ کی تصنیفات عبارت کی سہولت' دلائل کی وضاحت' افکار کی توضیح اور فقہاء کی آراء پیش کرنے میں مرقع انصاف ہیں۔

اہم تصنیفات: آپ نے بہت سی اہم کتابیں تصنیف کیں۔ ان میں سے بعض مندرجہ ذیل ہیں:

① شرح صحیح مسلم: اس سے پہلے صحیح مسلم کی کوئی متداول شرح موجود نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو شرف بخشا کہ آپ نے صحیح مسلم کی ایک مبسوط شرح لکھی۔ شروحِ صحیح مسلم میں آپ کی شرح کو جو قبول عام حاصل ہوا وہ کسی دوسری شرح کے حصے میں نہیں آیا۔ دنیا بھر میں صحیح مسلم کی متداول' معروف اور عام دستیاب ہونے والی شرح آپ ہی کی ہے۔ صحیح مسلم کے اکثر نسخے اسی شرح سے مزین ہیں۔

(٢) كتاب المجموع شرح المهذب للشيرازى (٣) رياض الصالحين من كلام سيد المرسلين (٤) الاذكار (٥) روضة الطالبين (٦) المنهاج فى شرح صحيح مسلم (٧) تهذيب الاسماء واللغات (٨) التقريب لمعرفة سنن البشير و النذير (٩) الاربعين (١٠) الايضاح فى المناسك (١١) التبيان فى آداب حملة القرآن (١٢) تحرير الالفاظ للتنبيه (١٣) العمدة فى تصحيح النية (١٤) الارشاد فى علوم الحديث (١٥) التقريب والتيسير فى مصطلح الحديث (١٦) تحفة الطالب (١٧) النكت على الوسيط (١٨) مختصر طبقات الشافعية لابن الصلاح (١٩) الفتاوىٰ (٢٠) شرح صحيح البخارى و دیگر کتب

وفات : آپ وسعت علم کے ساتھ ساتھ بلند اخلاق اور اعلیٰ کردار کے مالک اور صالح الاعمال تھے۔ زہد و ورع میں ایک عالم با عمل اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور شجاعت و اخلاص میں ایک ناصح عالم کی مانند تھے۔ آپ ۶۷۶ھ کو فلسطین تشریف لے گئے "القدس" اور "الخلیل" کی زیارت بھی کی۔

زندگی کے آخری ایام میں اپنے وطن' نویٰ تشریف لے آئے وہیں بیمار پڑ گئے اور آخرکار ۲۴ رجب ۶۷۶ھ بروز جمعرات علم و فضل کا یہ آفتاب اور زہد و ورع کا ماہتاب بعمر ۴۵ سال ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ ﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن ﴾

سعید مجتبیٰ السعیدی

منکیرہ - بھکر

١۔ اصلاحِ نیت کی ضرورت واہمیت

عَنْ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ أَبِي حَفْصٍ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی، فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ فَهِجْرَتُهُ إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ، وَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهُ لِدُنْيَا يُصِيبُهَا أَوِ امْرَأَةٍ يَّنْكِحُهَا فَهِجْرَتُهُ إِلٰى مَا هَاجَرَ إِلَيْهِ»(رواه البخاري ومسلم)

امیرالمؤمنین ابو حفص عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ کہتے ہیں' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا ملے گی۔ جس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہو تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور جس کی ہجرت حصولِ دنیا کے لئے یا کسی عورت سے نکاح کی غرض سے ہو تو اس کی ہجرت اسی چیز کے لئے ہے جس کے لئے اس نے ہجرت کی۔"

تخریج: صحيح البخاري، بدء الوحی، باب كيف كان بدء الوحي إلى رسول الله ﷺ، ح:١ وصحيح مسلم، الإمارة، باب قوله ﷺ إنما الأعمال بالنية، ح:١٩٠٧.

شرح الالفاظ: [حَفْصٍ] شیر' ابو حفص یہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔ [اَلنِّیَّاتِ] جمع نیۃ لغوی طور پر نیت کا معنی ارادہ ہے اور اصطلاحی طور پر اس ارادے کو کہتے ہیں جو فعل کے ساتھ متصل ہو۔ [هِجْرَة] کا معنی لغوی طور پر "ترک کرنا" ہے اور شرعاً' دین کو بچانے کی

غرض سے دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف چلے جانے کو ہجرت کہا جاتا ہے۔ ''اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہے۔'' اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی ہجرت ریا اور دکھلاوے سے پاک ہے۔ اور اس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کو حاصل کرنا ہے اس کی ہجرت مقبول ہے اور اسے اس کی جزا ملے گی۔ [لِدُنْيَا يُصِيبُهَا] کسی دنیوی غرض کے حصول کی خاطر ہو۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ حقیقت بیان فرمائی ہے کہ انسان کے تمام اعمال کی قبولیت اور ان کے اجر و ثواب کا انحصار نیت پر ہے۔ عمل کرنے والے کی نیت درست ہو تو اس کا عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور عمل کرنے والے کو اس کا ثواب ملتا ہے۔ اور اگر عمل کرنے والے کی نیت درست نہ ہو تو بظاہر وہ عمل کتنا ہی اچھا اور عمدہ کیوں نہ ہو' عمل کرنے والے کو اس کا ثواب نہیں ملتا' بلکہ وہ عمل اس کے لئے وبال اور باعث گناہ بن جاتا ہے۔ گویا نیت تمام اعمال کی روح ہے۔

نیت کی درستی اور خرابی سے کیا مراد ہے؟

نیت کی درستی سے مراد یہ ہے کہ نیک کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے کیا جائے' کسی کے خوف سے یا کسی کی خوشنودی کیلئے نہ ہو نیز لوگوں میں شہرت' نیک نامی یا دنیوی منفعت کا لالچ بھی نہ ہو۔ اور اگر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کی بجائے کسی شخص کی خوشنودی یا لوگوں میں عزت و شہرت اور نام و نمود یا مزید کسی دنیوی لالچ و غرض کی خاطر کیا جائے تو یہ نیت کی خرابی ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہی چیز ایک مثال دے کر واضح فرمائی ہے کہ اگر کوئی شخص ہجرت جیسا عظیم عمل محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی اطاعت و محبت کیلئے کرے تو اس کی ہجرت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کیلئے ہے یعنی اس کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول اور وہ شخص اجر و ثواب کا مستحق ہے اور وہ رسول کا اطاعت گزار اور فرمانبردار ہے اور اگر ہجرت کرنے والے نے یہ عمل دولت کمانے یا کسی عورت سے شادی کرنے کے لالچ میں کیا تو اس کی یہ ہجرت اسی کیلئے ہے جس کیلئے اس نے ہجرت کی یعنی اسے اس عمل کا کوئی ثواب نہ ہو گا۔ اور وہ رسول کا عقیدت مند اور فرماں

کیش شمار نہ ہو گا۔ حالانکہ ہجرت ایک ایسا عظیم عمل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«أَنَّ الْهِجْرَةَ تَهْدِمُ مَا كَانَ قَبْلَهَا» (صحيح مسلم، الإيمان، باب كون الإسلام يهدم ما كان قبله... الخ، ح:١٢١)

"ہجرت کرنے سے انسان کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

آنحضرت ﷺ نے اس حقیقت کو مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ لاَ يَنْظُرُ إِلٰى صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ، وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ إِلٰى قُلُوبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ» (صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم ظلم المسلم...، ح:٢٥٦٤)

"بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکل وصورت اور مال و دولت کو نہیں دیکھتا وہ تو تمہارے اعمال اور دلوں کو دیکھتا ہے (کہ تم عمل کس نیت سے کرتے ہو۔)"

قرآنِ کریم میں اسی اخلاص کو تقویٰ سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ لَن يَنَالَ ٱللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ ٱلتَّقْوَىٰ مِنكُمْ ﴾ (الحج ۲۲/ ۳۷)

"اللہ کو قربانی کا گوشت یا خون نہیں پہنچتا بلکہ اسے تو تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔"

یعنی تمہارے اس عمل میں اخلاص ہے یا نہیں؟ اخلاص ہو تو بظاہر حقیر اور معمولی عمل بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے لیے نجات اور سرخروئی کا سبب بن سکتا ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے بیان فرمایا:

"قیامت کے روز ایک قاری، ایک سخی اور ایک شہید کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش کیا جائے گا۔ اللہ ان سے باری باری ان کے اعمال کے متعلق دریافت کرے گا تو قاری کہے گا' یا اللہ! میں نے تیرا دین سیکھا اور زندگی بھر لوگوں کو سکھاتا رہا۔ سخی کہے گا یا اللہ! میں نے تیرا دیا ہوا مال نیکی کے ہر راستے میں خوب لٹایا' اور شہید کہے گا' یا اللہ! میں تیرے دشمنوں سے قتال کرتا رہا اور بالآخر میں خود بھی ان سے لڑتا ہوا مارا گیا۔ اللہ اس

قاری سے فرمائے گا' تو نے قرآن سیکھا اور سکھایا ضرور تھا مگر تیری نیت تھی کہ لوگ تجھے قاری اور عالم کہیں۔ اور اللہ سخی سے فرمائے گا کہ واقعی تو نے مال خرچ تو کیا تھا مگر تیری نیت تھی کہ لوگ تجھے سخی کہیں اور تعریف کریں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ شہید سے فرمائے گا کہ تو نے کفار سے لڑائیاں ضرور لڑیں تھیں مگر تیری نیت اور ارادہ تھا کہ لوگ تیری تعریف کریں اور تجھے بہادر کہیں تم تینوں نے یہ اعمال میری رضا کیلئے نہیں کئے تھے' لہٰذا آج میرے ہاں تمہارے لئے کچھ نہیں اور پھر فرشتوں کو حکم دیا جائے گا کہ ان تینوں کو گھسیٹ کر منہ کے بل جہنم میں پھینک دیا جائے۔" (صحیح مسلم' الامارۃ 'باب من قاتل للریاء والسمعۃ استحق النار' رقم:۱۹۰۵)

اخلاص نیت کی اہمیت تو اس قدر ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل درجہ قبولیت کو نہیں پہنچ سکتا۔ اسی لئے احادیث میں آیا ہے کہ جب کوئی شخص نیک عمل کرنے کا ارادہ کرے تو اسے ایک نیکی کا ثواب مل جاتا ہے۔ اور اگر نیت کے بعد اس عمل کو کر بھی لے تو اسے کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے اور بعض صورتوں میں سات سو گنا تک ثواب مل جاتا ہے۔

(صحیح البخاري' الرقاق' ح:۶۴۹۱ و صحیح مسلم' الایمان' ح:۱۳۱)

اوس بن حذیفہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے' کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ أَتَى فِرَاشَهُ وَهُوَ يَنْوِي أَنْ يَقُومَ، يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فَغَلَبَتْهُ أَصْبَحَ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوَى وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ عَزَّ وَجَلَّ»

(سنن النسائي، قيام الليل، باب من أتى فراشه ، ح:١٧٨٨ والإرواء، ح:٤٥٤)

"جو شخص رات کو سوتے وقت تہجد کی نیت کر لے لیکن وہ بیدار نہ ہو سکے تو اسے اس عمل کا ثواب مل جاتا ہے جس کی اس نے نیت کی اور وہ نیند اس پر اس کے رب کی طرف سے صدقہ ہے۔"

اور اگر کوئی عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے نہ ہو بلکہ لوگوں کے دکھلاوے کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں شرک قرار پاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے۔ آپ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ صَامَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ، وَمَنْ

تَصَدَّقَ يُرَائِي فَقَدْ أَشْرَكَ»(مسند أحمد: ٤/ ١٢٦)

"جو شخص لوگوں کے دکھلاوے کی خاطر نماز پڑھے' روزہ رکھے یا صدقہ کرے تو وہ شرک کا مرتکب ہے۔"

اور یہ سب کو معلوم ہے کہ شرک' اکبر الکبائر ہے۔ اور شرک کرنے والے کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہ بخشے گا اور ریا و نمود شرک ہی کی ایک قسم ہے۔ خلوص نیت کے ساتھ جو عمل کیا جائے وہ نہ صرف اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہوتا ہے بلکہ قیامت کے روز اس شخص کو عرشِ الٰہی کا سایہ نصیب ہو گا۔ جیسا کہ صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے کہ سات قسم کے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا ان میں سے ایک وہ ہے۔

«رَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لاَ تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ» (صحيح البخاري، الأذان، باب من جلس في المسجد ينتظر الصلاة . . .، ح: ٦٦٠ وصحيح مسلم، الزكاة، باب فضل إخفاء الصدقة، ح: ١٠٣١)

"جو اللہ تعالیٰ کی خاطر اس قدر مخفی طور پر صدقہ کرے کہ دائیں ہاتھ سے خرچ کرے تو بائیں تک کو خبر نہ ہو۔"

ان تمام احادیث سے اچھی طرح واضح ہو گیا کہ دین میں اصلاح نیت کی اہمیت بہت زیادہ ہے' اور اسی پر انسان کی نجات کا دارومدار ہے۔ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ زبان سے الفاظ ادا کرنا نیت نہیں۔ انسان دل میں کسی نیکی کا ارادہ کرے تو اسے ایک نیکی کا ثواب مل جاتا ہے اور جب وہ عمل کر لے تو اسے اخلاص کے لحاظ سے دس گنا سے سات سو گنا تک اجر و ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابو کبشہ انماری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تین باتوں کی قسم اُٹھاتا ہوں اور تم سے ایک حدیث بیان کرتا ہوں اسے یاد رکھنا۔

«مَا نَقَصَ مَالُ عَبْدٍ مِّنْ صَدَقَةٍ»

"صدقہ کرنے سے کسی کے مال میں کمی واقع نہیں ہوتی۔"

«وَلاَ ظُلِمَ عَبْدٌ مَّظْلِمَةً صَبَرَ عَلَيْهَا إِلاَّ زَادَهُ اللهُ عِزًّا»

"جس کسی پر ظلم ہو اور وہ صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی عزت میں اضافہ فرماتا ہے۔"

«وَلاَ فَتَحَ عَبْدٌ بَابَ مَسْئَلَةٍ إِلاَّ فَتَحَ اللهُ عَلَيْهِ بَابَ فَقْرٍ»

"جو شخص مانگنا شروع کر دے تو اللہ تعالیٰ اس پر فقر و تنگدستی کا دروازہ کھول دیتا ہے۔" (اور وہ ہر قسم کے مال و دولت کے باوجود مانگتا پھرتا ہے)

پھر فرمایا: ایک اور بات بیان کرتا ہوں اسے بھی یاد رکھنا' یہ دنیا چار قسم کے لوگوں کیلئے ہے۔

(۱) ایک وہ جسے اللہ تعالیٰ مال و دولت اور علم سے نوازتا ہے اور وہ ان دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہتا ہے' صلہ رحمی کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حق کو جانتا (اور ادا کرتا) ہے۔ ایسا آدمی سب سے افضل ہے۔

(۲) دوسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے اور دولت نہ دے مگر وہ صدق و خلوص نیت سے کہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح نیک اعمال کرتا حالانکہ اس کی صرف نیت ہے اور دوسرے کا عمل تاہم دونوں کا اجر و ثواب برابر ہے۔

(۳) تیسرا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ مال عطا فرماتا ہے اور وہ علم سے محروم ہوتا ہے وہ مال کو بے تحاشا بغیر سوچے سمجھے اور بغیر علم کے خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے نہ صلہ رحمی کرتا ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو جانتا اور ادا کرتا ہے یہ سب سے برا ہے۔

(۴) چوتھا وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے علم دیا نہ مال لیکن وہ کہتا ہے کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں فلاں کی طرح (برے) کام کرتا حالانکہ اس کی صرف نیت ہے اور دوسرے کا عمل تاہم دونوں کا گناہ برابر ہے۔ جامع الترمذی الزهد' باب ماجاء مثل الدنیا مثل اربعة نفر' ح :۲۳۲۵۔

ریا کی تمثیل کے لئے دیکھئے: (سورۂ بقرہ' آیت : ۲۶۴)

۲۔ اسلام' ایمان اور احسان کے مفاہیم

عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوسٌ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيدُ

بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لاَ يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ وَلاَ يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتَّى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ! أَخْبِرْنِي عَنِ الإِسْلاَمِ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «**الإِسْلاَمُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَتُقِيمَ الصَّلاَةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُومَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيلاً**» قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ، يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِيمَانِ؟ قَالَ: «**أَنْ تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلاَئِكَتِهِ، وَكُتُبِهِ، وَرُسُلِهِ، وَالْيَوْمِ الآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَيْرِهِ وَشَرِّهِ**» قَالَ: صَدَقْتَ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ؟ قَالَ: «**أَنْ تَعْبُدَ اللهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ، فَإِنَّهُ يَرَاكَ**» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: «**مَا الْمَسْؤُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ**» قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَاتِهَا؟ قَالَ: «**أَنْ تَلِدَ الأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَى الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ، رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُونَ فِي الْبُنْيَانِ**» قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا ثُمَّ قَالَ لِي: «**يَاعُمَرُ! أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟**» قُلْتُ: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: «**فَإِنَّهُ جِبْرِيلُ، أَتَاكُمْ يُعَلِّمُكُمْ دِينَكُمْ**»(رواه مسلم)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرماتے ہیں "ایک دن ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جس کا لباس

انتہائی سفید اور بال سخت سیاہ تھے اس پر سفر کے آثار دکھائی دیتے تھے نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا تھا (وہ آیا) اور نبی اکرم ﷺ کے قریب اس طرح بیٹھا کہ اس نے اپنے گھٹنے آپ کے گھٹنوں کے ساتھ ملا دیئے اور اپنے ہاتھ اپنی (یا آپ کی) رانوں پر رکھ دیئے اور کہا: "اے محمد (ﷺ)! مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے (کہ اسلام کیا ہے؟) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور یہ کہ محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز ادا کرے' زکوٰۃ دے' رمضان کے روزے رکھے' اور استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔" اس نے کہا: "آپ نے سچ فرمایا" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہمیں تعجب ہوا کہ وہ خود سوال کرتا ہے اور خود ہی جواب کی تصدیق کرتا ہے۔

پھر اس نے کہا: "مجھے ایمان کے بارے میں بتایئے" (کہ ایمان کسے کہتے ہیں) آپ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر' فرشتوں پر' اس کی نازل کردہ کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' آخرت پر' اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔" اس نے کہا: "آپ نے بالکل درست فرمایا" پھر اس نے کہا: احسان کے بارے میں بتلایئے" (کہ احسان کسے کہتے ہیں؟) آپ نے فرمایا: (احسان یہ ہے کہ) تو اللہ تعالیٰ کی عبادت یوں کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو کم از کم یہ خیال رہے کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے (اگرچہ تم نہیں دیکھ رہے) (امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے یہی ترجمہ صحیح قرار دیا ہے) پھر اس نے کہا: کہ مجھے قیامت کے بارے میں بتلایئے"؟ (کہ کب آئے گی؟) آپ نے فرمایا: "اس کے متعلق میرا علم تمہارے علم سے زیادہ نہیں۔" اس نے کہا: "تو پھر اس کی نشانیاں ہی بتلا دیں۔" آپ نے فرمایا: کہ اس کی نشانیاں یہ ہیں کہ لونڈیاں اپنی مالکاؤں کو جنم دینے لگیں' اور تم

ننگے پاؤں' ننگے جسم' تنگ دست' بکریوں کے چرواہوں کو دیکھو کہ وہ عمارتوں کی تعمیر میں حد سے تجاوز کرنے لگیں گے۔" اس کے بعد وہ سائل چلا گیا۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد آپ نے فرمایا: "عمر! جانتے ہو یہ سائل کون تھا"؟ میں (عمر) نے کہا: "اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں۔" آپ نے فرمایا: "یہ جبریل تھے' جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔"

تخریج: صحیح مسلم، الإیمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان، ووجوب الإیمان بإثبات قدر الله سبحانه وتعالی، ح: ٨.

شرح الالفاظ: [اِذْ طَلَعَ] اچانک نمودار ہوا۔ [اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ] شریعت میں اسلام کی حقیقت اور اعمال اسلام سے مجھے آگاہ فرمائیں' اسی طرح اس کے سوال [اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ] ' [وَالْاِحْسَانِ] کا بھی یہی مفہوم ہے۔ [وَتُقِیْمَ الصَّلَاۃَ] تو نماز کو اس کی مکمل شروط اور ارکان کے ساتھ ادا کرے۔ اور اس کو پورے اہتمام کے ساتھ صحیح صحیح ادا کرے [فَعَجِبْنَا لَهُ یَسْاَلُهُ وَ یُصَدِّقُهُ] ہمیں اس کے اس انداز پر تعجب ہوا کیونکہ اس کا سوال اس کے عدم علم پہ دلالت کرتا ہے اور اس کا تصدیق کرنا اس بات کا مظہر ہے کہ گویا وہ اس بات سے واقف ہے۔ [وَتُؤْمِنَ بِالْقَدْرِ خَیْرِهٖ وَ شَرِّهٖ] قدر کا لغوی معنی "تقدیر" ہے۔ ہر چیز کا اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق وجود میں آنا تقدیر کا شرعی مفہوم ہے۔ خیر و شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ماننا ایمان کا جز ہے [اَلْاِحْسَانِ] عبادت کو کامل ترین طریقہ پر ادا کرنا [اَخْبِرْنِیْ عَنِ السَّاعَةِ] مجھے قیامت کے بارے میں یعنی اس کی آمد کے بارے میں بتلائیے کہ کب آئے گی۔ [فَاَخْبِرْنِیْ عَنْ اَمَارَاتِهَا] "امارات" "امارۃ" کی جمع ہے یعنی علامت' اس کی مراد یہ تھی کہ آپ قرب قیامت کی علامات (ہی) بتا دیں۔ [اَنْ تَلِدَ الْاَمَةُ رَبَّتَهَا] کہ لونڈیاں اپنی (مالکاؤں) کو جنم دینے لگیں۔ مراد یہ ہے کہ قیامت کے قریب لونڈیاں اس قدر عام ہوں گی کہ لونڈی اپنے مالک کی بیٹی کو جنم دے گی اور مالک کی بیٹی بھی مالک ہوتی ہے۔ اور بیٹیاں ماؤں پر حکم چلائیں گی۔ [اَلْعَالَةَ] جمع عائل' بمعنی فقیر' تنگدست محتاج۔ [رِعَاءَ الشَّاءِ]

بکریوں کے چرواہے "رعاء" راعی کی جمع۔ یعنی چرواہا اس کی جمع رعاۃ بھی آتی ہے۔ الشاء' جمع شاۃ' بھیڑ بکری۔ [یَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ] "تطاول" لمبائی میں ایک دوسرے سے بڑھنا' عمارات کی بلندی میں حد سے تجاوز کرنے لگیں گے یہ کنایہ ہے کہ اس وقت حالات بہت خراب ہو جائیں گے اور معاملات نااہل لوگوں کے سپرد ہوں گے [الْبُنْيَانِ] عمارات [فَلَبِثْتُ مَلِيًّا] میں کچھ دیر ٹھہرا۔

تشریح : یہ حدیث اہلِ علم کے ہاں "حدیث جبریل" اور "ام السنۃ" کے نام سے معروف ہے۔ حضرت جبریل رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں انسانی صورت میں تشریف لائے اور انہوں نے آپ سے چند سوالات کے جوابات دریافت کیے تھے۔

فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا یہ کوئی مستبعد امر نہیں۔ اسی کے پیش نظر حدیث میں صراحت موجود ہے کہ آنے والا شخص کوئی انسان نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام تھے۔ کتب حدیث کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حضرت جبریل عام طور پر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔ غزوۂ بدر' حنین اور خندق وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مدد کے لیے فرشتوں کا انسانی صورت میں آنا ثابت ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بھی جبریل علیہ السلام انسانی صورت میں آئے تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاں بھی فرشتوں کا انسانی صورت میں آنے کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے۔ اسی لئے ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے کھانے کا انتظام کیا تھا۔

وَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ بظاہر اس کا معنی یہ ہے کہ آنے والے (جبریل علیہ السلام) نے اپنی ہتھیلیاں اپنی رانوں پر رکھ لیں۔ جس طرح ایک مؤدب شاگرد اپنے استاذ کے سامنے ادب و احترام سے بیٹھتا ہے۔ لیکن مسند احمد' (جلد اول' ص:۳۱۹) کی روایت میں صراحت ہے کہ اس نے بیٹھتے وقت اپنے ہاتھ اپنی رانوں پر رکھنے کی بجائے نبی ﷺ کی رانوں پر رکھے تھے۔ شاید اس سے ناظرین و سامعین کو مکمل طور پر اپنی طرف متوجہ کرنا مقصود ہو تاکہ وہ ساری گفتگو کو اچھی طرح سماعت کریں۔ (واللہ اعلم)

پہلا سوال : ارکانِ اسلام

سائل نے نبی کریم ﷺ کی محفل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے معمول کے برعکس کیفیت اختیار کر کے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لینے کے بعد کہا کہ مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے تو آپ نے اس سوال کے جواب میں اسلام کے پانچ بنیادی ارکان ذکر فرمائے۔ ① اللہ تعالیٰ کی توحید اور رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار۔ ② اقامتِ صلوٰۃ ③ ادائیگی زکوٰۃ ④ صیام رمضان ⑤ استطاعت کی صورت میں بیت اللہ کا حج کرنا۔

یہی امور آپ نے ایک دوسری حدیث ((بُنِیَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ)) میں ذکر فرمائے ہیں۔

فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَ يُصَدِّقُهُ

ہم نے تعجب کیا کہ وہ آپ سے سوال کرتا ہے اور جواب ملنے پر اس کی تصدیق و تائید بھی کرتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب اسے سوال کے جواب میں اسلام کی حقیقت سے آگاہ فرمایا تو اس نے آپ کے جواب کی تصدیق کی اس پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حیرت ہوئی کہ یہ عجیب سائل ہے جس نے یوں کہا گویا وہ جواب سے واقف نہیں۔ اور جب آپ نے اس کے سوال کا جواب دیا تو اس کی تصدیق و تائید یوں کرتا ہے گویا وہ قبل ازیں اس بات سے واقف ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو پہلے ہی اس کی آمدہ شکل و صورت اور بیٹھنے کے انداز پر حیران تھے' اس کی زبان سے تائید و تصدیقی الفاظ سن کر مزید حیران ہوئے۔

دوسرا سوال : عقائدِ اسلام

سائل نے اپنے سوال کا جواب سن کر اور تائید و تصدیق کرنے کے بعد دوسرا سوال کیا کہ آپ مجھے ایمان کے متعلق کچھ بتائیں۔ آپ نے اس کے جواب میں اسلام کے بنیادی عقائد کا ذکر فرمایا:

① اللہ تعالیٰ پر ایمان۔ ② اس کے فرشتوں پر ایمان۔ ③ اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان۔ ④ اس کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان۔ ⑤ آخرت پر ایمان۔ ⑥ اچھی بری تقدیر پر ایمان۔

اسلام اور ایمان

اسلام اور ایمان دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحیں ہیں۔ بالعموم یہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی جگہ ہم معنی استعمال ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید

میں ایک جگہ ارشاد ہے:

﴿ فَأَخْرَجْنَا مَن كَانَ فِيهَا مِنَ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٥﴾ فَمَا وَجَدْنَا فِيهَا غَيْرَ بَيْتٍ مِّنَ ٱلْمُسْلِمِينَ ﴿٣٦﴾ ﴾ (الذاریات ۵۱/ ۳۵۔۳۶)

"وہاں بستی میں جو مومن تھے ہم نے انہیں نکال لیا پس ہم نے وہاں مسلمانوں کا صرف ایک ہی گھر پایا۔"

اس آیت میں اسلام اور ایمان دونوں الفاظ کو مترادف استعمال کیا گیا ہے۔ اسی گھر والوں کو مومنین اور مسلمین کہا گیا ہے معلوم ہوا کہ یہ دونوں لفظ ہم معنی بھی استعمال ہوتے ہیں۔ بسا اوقات ان دونوں کا اطلاق مختلف معانی پر ہوتا ہے۔ قرآن کریم ہی میں ہے:

﴿ قَالَتِ ٱلْأَعْرَابُ ءَامَنَّا ۖ قُل لَّمْ تُؤْمِنُوا۟ وَلَـٰكِن قُولُوٓا۟ أَسْلَمْنَا ﴾ (الحجرات ۴۹/ ۱۴)

"اعراب نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے' آپ فرمادیں کہ تم (ابھی) ایمان نہیں لائے البتہ یوں کہو کہ ہم مسلمان ہو گئے۔"

اس آیت میں اسلام اور ایمان کے معنی میں فرق کیا گیا ہے۔ اسلام کا تعلق ظاہری اعمال سے اور ایمان کا تعلق عقائد سے ہے۔ جیسا کہ پیشِ نظر حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اسلام کی وضاحت میں ارکان اسلام بیان فرمائے اور ایمان کے جواب میں اسلامی عقائد کا ذکر فرمایا۔

تیسرا سوال : احسان

"احسان کا لفظی معنی ہے کسی چیز کو خوبصورت اور عمدہ بنانا' یا کسی کام کو عمدگی سے کرنا' یا کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرنا۔ حدیث میں مطلب یہ ہے کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے تو یہ تصور کرنا چاہیئے کہ میں خود اپنے مالک کو دیکھ رہا ہوں لیکن اگر خلوص کا یہ مرتبہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا تصور ضرور ہو کہ میں اپنے مالک و خالق کی نظروں میں ہوں اور وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اعمال کو احسان یعنی عمدگی اور بہتری سے سرانجام دینا انتہائی ضروری ہے سورۃ الملک میں ہے۔

﴿ ٱلَّذِى خَلَقَ ٱلْمَوْتَ وَٱلْحَيَوٰةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک ۶۷/ ۲)

"اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو اس لیے پیدا کیا کہ وہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے کون

بہترین عمل کرتا ہے۔"

اسی لئے آنحضرت ﷺ بھی حسن عبادت کی توفیق کی دعا فرمایا کرتے تھے:

«رَبِّ أَعِنِّي عَلٰى ذِكْرِكَ وَشُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ»(سنن أبي داود، الوتر، باب في الاستغفار، ح:١٥٢٢ وسنن النسائي، السهو، باب ٦٠، ح:١٣٠٤)

"اے میرے رب! مجھے اپنا ذکر و شکر کرنے اور حسنِ عبادت کی توفیق عطا فرما۔"

قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں والدین اور ہمسایوں وغیرہ کے ساتھ احسان کرنے یعنی حسنِ سلوک کی ہدایات دی گئی ہیں۔ حضرت ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان یعنی حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ پس جب تم قتل کرو تو اچھی طرح سلیقہ سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بھی سلیقہ سے ذبح کرو۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔" (صحیح مسلم' الصید والذبائح' باب الامر باحسان الذبح' حدیث: ۱۹۵۵)

چوتھا سوال: قیامت کب آئے گی

سائل نے چوتھا سوال یہ کیا کہ آپ مجھے قیامت کے متعلق بتائیں! کہ کب آئے گی؟ آپ نے فرمایا:

«مَا الْمَسْئُولُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ»

"جس سے یہ سوال کیا جا رہا ہے وہ پوچھنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔"

یعنی قیامت کا علم نہ ہونے کے بارے میں' میں اور تم دونوں برابر ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے متعلق کسی کو نہیں بتایا کہ کب آئے گی؟ اس کا علم صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ عِندَهُۥ عِلۡمُ ٱلسَّاعَةِ﴾ (لقمان٣١/ ٣٤)

"بے شک قیامت کا علم صرف اللہ ہی کو ہے۔"

﴿ قُلۡ إِنَّمَا عِلۡمُهَا عِندَ رَبِّي﴾ (الأعراف٧/ ١٨٧)

"آپ فرما دیں کہ اس کا علم صرف میرے رب کو ہے۔"

ایک حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں:

«فِي خَمْسٍ، لاَ يَعْلَمُهُنَّ إِلاَّ اللهُ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب سؤال جبريل النبي ﷺ عن الإيمان والإسلام والإحسان، ح:٥٠ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الإيمان ما هو؟ وبيان خصاله، ح:٩)

"قیامت کا علم ان پانچ امور میں سے ہے جن کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔"

پانچواں سوال: علامات قیامت

جب آنحضرت ﷺ نے قیامت کے متعلق لاعلمی کا اظہار فرمایا تو سائل نے کہا: اگر قیامت کے وقوع کا حتمی علم نہیں تو کم از کم اس کی علامات ہی بیان فرما دیں۔ تو آپ نے فرمایا:

(ا) جب لونڈی اپنی مالکہ کو جنم دے۔

یعنی اولاد اپنے والدین کی نافرمان ہو اور اولاد اپنی ماؤں سے اس طرح خدمت لے اور ایسا ذلت آمیز سلوک کرنے لگے جیسے آقا اپنی لونڈیوں سے کرتا ہے۔

اس کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فتوحات بکثرت ہونے لگیں اور لونڈی زادے سریر آرائے سلطنت ہو جائیں اور ان کی والدہ بھی ان کی رعیت میں شامل ہونے لگے جیسا کہ ہندوستان میں غلامان کی حکومت رہی ہے۔

اس کا تیسرا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قیامت کے قریب غلاموں کی کثرت ہو جائے گی کوئی شخص کسی عورت کو لونڈی کی حیثیت سے خریدے گا جو درحقیقت اس کی ماں ہو گی اور وہ دونوں اس حقیقت سے لاعلم ہوں گے۔ (واللہ اعلم)

(۲) آنحضرت ﷺ نے قرب قیامت کی دوسری علامت یہ بیان فرمائی کہ تم ننگے پاؤں ننگے بدن، مفلس و قلاش چرواہوں کو بلند و بالا عمارتیں کھڑی کرتے دیکھو گے یعنی دولت کی ریل پیل ہو گی اور عمارتیں بنانا ہی شرف و عزت ٹھہرے گا۔

مسند احمد' میں اسی حدیث کی ایک دوسری سند سے مروی روایت میں ہے' آپ ﷺ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ! اس سے کون لوگ مراد ہیں؟ تو آپ نے فرمایا "العرب" کہ اس سے عرب لوگ مراد ہیں۔ دیکھئے مسند احمد بتحقیق احمد شاکر رقم (۲۹۲۶)

موجودہ دور میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ اہلِ عرب جو کچھ عرصہ قبل تک واقعی تنگدست'

مفلس اور قلاش تھے' ان کے پاس پہننے کو جوتا اور لباس نہ ہوتا تھا' جانور پال کر ان کی گزران ہوتی تھی' آج ان کے پاس دولت کی ریل پیل ہے اور کئی کئی منزلہ بلند و بالا عمارتوں کے مالک ہیں اور اس میں مسابقت و مقابلہ ہو رہا ہے۔

حدیث جبریل کی اہمیت اہل علم نے اس حدیث کی اہمیت و جامعیت کے پیش نظر اسے "ام الاحادیث" "ام الجوامع" اور "ام السنۃ" قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس میں اسلام کے ارکان' اس کے اہم بنیادی عقائد اور تمام اعمال کی روح یعنی احسان اور دنیا کا انجام یعنی قیامت تک کا ذکر ہے۔

۳۔ ارکانِ اسلام

عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ ۔ عَبْدِاللهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «بُنِيَ الإِسْلاَمُ عَلٰى خَمْسٍ: شَهَادَةِ أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَإِقَامِ الصَّلاَةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَحَجِّ الْبَيْتِ، وَصَوْمِ رَمَضَانَ»(رواه البخاري ومسلم)

ابو عبدالرحمٰن' سیدنا عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' کہتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا "اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے: گواہی دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ ادا کرنا' بیت اللہ کا حج کرنا اور رمضان المبارک کے روزے رکھنا۔"

تخریج: صحيح البخاري، الإيمان، باب دعاؤكم إيمانكم، ح:٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب أركان الإسلام ودعائمه العظام، ح:١٦.

شرح الالفاظ: [بُنِيَ] بنیاد رکھی گئی۔ [عَلٰى خَمْسٍ] پانچ چیزوں پر۔ [شَهَادَةِ] اقرار و

تصدیق۔ [حَجِّ البَیْتِ] مقرر کردہ مہینوں میں بیت اللہ الحرام پہنچ کر متعین اعمال کو مقررہ انداز پر ادا کرنا' مقدس و متبرک جگہ کی زیارت کرنا۔

تشریح : دینِ اسلام کی تکمیل ان پانچ ارکان سے ہوتی ہے جو اس حدیث میں بیان ہوئے ہیں۔ اگر ان میں سے ایک رکن بھی نہ ہو تو دین کی عمارت نامکمل رہے گی۔ اگرچہ توحید و رسالت کے اقرار کے بعد انسان اسلام میں داخل ہو کر مسلمان کہلانے کا حقدار ہو جاتا ہے مگر اس کا دین اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ باقی ارکان پر بھی عمل پیرا ہو۔

اسلام کا پہلا رکن : توحید و رسالت کا اقرار

اسلام کا پہلا رکن دو حصوں پر مشتمل ہے' حصہ اول' توحید کہلاتا ہے۔ یعنی دل اور زبان سے اس بات کا اقرار کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں' وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔ زندگی اور موت کا وہ مالک ہے۔ اولاد دینے والا' رزق بہم پہنچانے والا اور نفع و نقصان کا وہی مالک ہے۔ صرف وہی مختارِ کل ہے باقی سب عاجز بندے ہیں۔ کوئی نبی' ولی' فرشتہ یا بزرگ اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات اور حقوق و افعال میں اس کا شریک و ہمسر نہیں۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی یکتا ہے توحید کے برعکس عقیدہ کو شرک کہا جاتا ہے۔ اسلام کے پہلے رکن کا دوسرا حصہ "رسالت" ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے لئے ہر زمانہ میں انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔ یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی ہیں آپ خاتم الرسل اور خاتم النبیین ہیں۔ آپ قیامت تک کے انسانوں کے لئے نبی و رسول بن کر تشریف لائے۔ آپ کے بعد اب قیامت تک کوئی نبی و رسول نہیں آئے گا اگر کوئی نبوت و رسالت کا دعویٰ کرے تو وہ کاذب' دجال ہے اور اس کو ماننے والا کافر اور مرتد ہے۔

اسلام کا دوسرا رکن : اقامت صلوٰۃ

کلمہ پڑھ لینے یعنی توحید و رسالت کا اقرار کر لینے کے بعد ایک مسلمان پر سب سے پہلے نماز کا فریضہ عائد ہوتا ہے۔ دین اسلام میں نماز پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں سینکڑوں بار

نماز کا حکم آیا ہے۔ اور بیسیوں جگہ نماز کو اہلِ ایمان کی علامت قرار دیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل نماز ہی کو قرار دیا ہے۔ بلکہ آپ نے نماز پر اس قدر زور دیا کہ فرمایا:

"جب بچہ سات سال کا ہو تو اسے نماز کی تعلیم دو اگر دس سال کا ہو جائے اور نماز میں سستی کا مرتکب ہو تو اسے سزا دو۔" (ابوداود' الصلوٰۃ' باب متی یؤمر الغلام بالصلاۃ' حدیث ۴۹۴' ۴۹۵)

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے:

"جو شخص نماز نہیں پڑھتا اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔" (موطا امام مالک' الوضوء و الطھارۃ' باب العمل فیمن غلبہ الدم من جرح اور عاف: ۱/۴۵)

قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں نماز کے لئے "اقامت" کا لفظ استعمال ہوا ہے اقامت کا مفہوم صرف نماز کا پڑھ لینا ہی نہیں بلکہ نماز کو بالالتزام' مکمل آداب و شرائط کے ساتھ ہمیشہ پابندی کے ساتھ باجماعت مسنون طریقہ کے مطابق ادا کرنا اس کی اقامت ہے۔

اسلام کا تیسرا رکن: زکوٰۃ

زکوٰۃ کا لفظی معنی نشوونما اور پاک کرنا ہے۔ جو لوگ صاحب حیثیت ہوں ان پر اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے کہ وہ اپنی دولت میں سے مخصوص حصہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کریں۔ تاکہ دولت گردش کرتی رہے اور مالداروں کے دل میں دولت کی محبت گھر نہ کر جائے۔ نیز معاشرہ کے جو افراد مفلوک الحال' مفلس اور نادار ہوں ان کی مدد کی جائے۔ جو شخص صاحب نصاب ہو وہ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ان کے متعین کردہ اصحاب میں تقسیم کر دے مثلاً جو شخص ساڑھے سات تولے سونے یا ساڑھے باون تولے چاندی کا مالک ہو' سال گزرنے کے بعد اس پر اس دولت کا چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اگر کسی کے پاس چالیس بکریاں سال بھر موجود رہیں تو سال بعد ایک بکری بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اونٹ' گائے وغیرہ کا علیحدہ علیحدہ نصاب ہے۔ عشر اور صدقۃ الفطر وغیرہ بھی زکوٰۃ کی اقسام ہیں۔

اسلام کا چوتھا رکن : حج

جو شخص صاحب استطاعت ہو، یعنی اپنے اہل و عیال اور زیر کفالت اشخاص کی جملہ ضروریات پوری کرنے کے بعد سفر بیت اللہ کا متحمل ہو اس پر لازم ہے کہ وہ ایام حج میں اللہ تعالیٰ کے گھر جا کر متعلقہ مناسک ادا کرے۔ حج میں احرام باندھنا، بیت اللہ شریف کا طواف، صفا مروہ کی سعی، بال کٹوانا، منیٰ میں حاضری، وقوف عرفات اور مزدلفہ میں قیام وغیرہ احکام حج میں شامل ہیں۔ حج کا بڑا ثواب ہے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

"حج مبرور کی جزا جنت ہے۔" (صحیح بخاری، العمرة، باب وجوب العمرة و فضلها، حدیث:۱۷۷۳، صحیح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حدیث:۱۳۴۹)

ایک دوسری حدیث میں ہے آپ نے فرمایا:

"حج کرنے کے بعد انسان گناہوں سے یوں پاک صاف ہو جاتا ہے گویا وہ آج پیدا ہوا ہے۔" (صحیح البخاري، الحج، باب فضل الحج المبرور، حدیث ۱۵۲۱ و صحیح مسلم، الحج، باب فضل الحج والعمرة، حدیث ۱۳۵۰)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے جو شخص قدرت و طاقت کے باوجود حج نہیں کرتا وہ خواہ یہودی ہو کر مرے یا عیسائی ہو کر، یعنی اسلام پر اس کے خاتمے کا امکان نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا ارادہ ہے کہ اپنے کارندوں کو ملک کے اطراف میں بھیج کر ان لوگوں کا پتہ چلاؤں جو استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتے تاکہ ان پر جزیہ مقرر کر دوں، ایسے لوگ مسلمان نہیں، یہ لوگ مسلمان نہیں۔ (سنن سعید بن منصور)

اسلام کا پانچواں رکن : رمضان کے روزے

مسلمانوں پر سال بھر میں رمضان المبارک کے ایک مہینہ میں روزے رکھنا فرض ہے۔ روزہ ہر عاقل، بالغ، صحت مند اور باشعور مرد و عورت پر فرض ہے۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور نفسانی خواہشات پر کنٹرول رکھنے کا نام روزہ ہے۔ روزہ انسان کو متقی اور پرہیزگار بناتا ہے۔ مسافر اور مریض کو اجازت ہے کہ وہ روزہ چھوڑ دیں البتہ بعد از رمضان ان روزوں کی قضا دینا ہوگی۔ روزے کی بڑے فضیلت اور ثواب ہے۔

آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص ایمان کی حالت میں اللہ تعالیٰ سے اجر و ثواب کی خاطر روزے رکھے اس کی سابقہ زندگی کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“ (صحیح البخاري ' الایمان' باب صوم رمضان احتسابا من الایمان' حدیث :۳۸ و صحیح مسلم' صلاۃ المسافرین' باب الترغیب فی قیام رمضان و ھو التراویح' حدیث :۷٦۰)

روزہ سے صبر و تحمل' جفاکشی اور ناداروں سے ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں روزہ لاتعداد فوائد کا موجب ہے۔

ان پانچوں ارکان کو دین اسلام میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ جس طرح عمارت کے استحکام کے لئے بنیادوں کی گہرائی اور مضبوطی ضروری ہے۔ اسی طرح اسلام کی پختگی بھی گہرے اور مضبوط ایمان کے بغیر ناممکن ہے۔ اور جس طرح عمارت کی تزئین و آرائش کے لیے سجاوٹ کا سامان ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح عمارتِ اسلام کی آرائش بھی اعمالِ صالحہ سے ہوتی ہے بلکہ بعض اہل علم کے بقول اعمال کے بغیر ایمان کا وجود ہی عنقا ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اسلام کی بنیاد ان پانچ چیزوں پر ہے۔“ اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کی عدم موجودگی میں یہ عمارت ہی سرے سے غائب ہو جائے گی۔

۴۔ انسان کے تخلیقی مراحل اور انجام آخرت

(کامیابی و ناکامی کی بنیاد زندگی کے آخری اعمال پر ہے)

عَنْ أَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ عَبْدِاللهِ بْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: حَدَّثَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوقُ:

«إِنَّ أَحَدَكُمْ يُجْمَعُ خَلْقُهُ فِي بَطْنِ أُمِّهِ أَرْبَعِينَ يَوْمًا نُطْفَةً، ثُمَّ يَكُونُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يَكُونُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ، ثُمَّ يُرْسَلُ إِلَيْهِ الْمَلَكُ فَيَنْفُخُ فِيهِ الرُّوحَ، وَيُؤْمَرُ بِأَرْبَعِ كَلِمَاتٍ: بِكَتْبِ رِزْقِهِ، وَأَجَلِهِ، وَعَمَلِهِ، وَشَقِيٌّ أَوْ سَعِيدٌ، فَوَاللهِ الَّذِي لَا إِلٰهَ غَيْرُهُ! إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ

بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، فَيَدْخُلُهَا، وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ النَّارِ، حَتَّى مَا يَكُونُ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا إِلاَّ ذِرَاعٌ، فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ، فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيَدْخُلُهَا»(رواه البخاري ومسلم)

ابو عبدالرحمٰن، سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، وہ کہتے ہیں صادق مصدوق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمایا: "تم میں سے ہر ایک کی تخلیق یوں ہوتی ہے کہ وہ والدہ کے پیٹ میں چالیس یوم تک نطفہ کی صورت میں، اس کے بعد اتنے ہی روز تک جمے ہوئے خون کی صورت میں اور اس کے بعد اتنے ہی روز گوشت کے لوتھڑے کی صورت میں رہتا ہے۔ بعد ازاں اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے وہ آ کر اس میں روح پھونکتا ہے اور اسے اس پیدا ہونے والے کے متعلق چار باتیں، رزق، عمر، عمل، اور اس کے شقی (بدبخت) یا سعید (نیک بخت) ہونے کے متعلق، لکھنے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اس اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے علاوہ کوئی سچا معبود نہیں تم میں سے کوئی آدمی اہل جنت کے سے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے مابین صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو اس پر وہ سابقہ تحریر غالب آجاتی ہے اور وہ شخص اہل جہنم کا سا عمل کر کے جہنم میں چلا جاتا ہے اور ایک شخص اہل جہنم کے سے عمل کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کے اور جہنم کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے تو وہ سابقہ تحریر غالب آجاتی ہے۔ اور وہ

شخص اہل جنت کا سا عمل کر کے جنت میں چلا جاتا ہے۔"

تخریج: صحیح البخاري، بدء الخلق، باب ذکر الملائکة، ح:۳۲۰۸، ۳۳۳۲، ۶۵۹۴، ۷۴۵۴ وصحیح مسلم، القدر، باب کیفیة خلق الآدمي في بطن أمه وکتابة رزقه وأجله وعمله وشقاوته وسعادته، ح:۲۶۴۳.

شرح الالفاظ: [يُجْمَعُ خَلْقُهُ] (بصیغۃ المجہول) اس کا مادۂ تخلیق رکھا جاتا ہے [نُطْفَةً] وہ منی جس سے جنین (بچہ) بنتا ہے۔ اسے نطفہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بہنے والے پانی کی قسم کا ہوتا ہے۔ [عَلَقَةً] جما ہوا خون جو خشک نہ ہوا ہو چونکہ وہ خون رحم کے ساتھ چمٹا اور لگا ہوا ہوتا ہے اس لئے اسے عَلَقَةً کہتے ہیں۔ [مُضْغَةً] گوشت کا اتنا سا ٹکڑا جسے چبانا ممکن ہو اس کی جمع "مضغ" آتی ہے۔ [أَجَلِهِ] مدت عمر۔ [فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ] اس پر تحریر غالب آجاتی ہے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا علم یا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی تحریر مراد ہے۔ یا وہ تحریر مراد ہے جو اس وقت لکھی گئی تھی جبکہ یہ اپنی والدہ کے پیٹ میں تھا۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں انسان کے تخلیقی مراحل' تقدیر اور آخرت کے انجام کے متعلق فرمایا ہے۔ انسانیت کی ابتدا ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی۔ ان کے متعلق قرآن مجید میں واضح ارشاد ہے کہ ان کی تخلیق مٹی سے ہوئی' بعد ازاں حضرت حوا کو پیدا کیا گیا اور پھر اس جوڑے سے ان کی نسل اور اولاد پھلی پھیلی۔

نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کا مادۂ تخلیق جسے "نطفہ" کہا جاتا ہے وہ رحم مادر میں پہنچ کر چالیس دن تک اسی کیفیت میں رہتا ہے اور اس کا خمیر تیار ہوتا رہتا ہے۔ اس کے بعد وہ دوسرے مرحلے میں "علقہ" یعنی جامد خون کی شکل میں بدل جاتا ہے یہ حالت بھی صرف چالیس یوم تک رہتی ہے۔ اس کے بعد وہ تیسرے مرحلہ میں "مُضغہ" یعنی گوشت کا لوتھڑا بن جاتا ہے۔ یہ حالت بھی چالیس دن تک رہتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انسان کو "کُنْ" کہہ کر ایک لمحہ سے بھی پہلے پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کی مشیت ہے کہ انسان کی تخلیق تدریجاً ہو اس میں لاتعداد مصالح اور حکمتیں ہیں۔ مثلاً:

① اگر بچہ رحم مادر میں یہ تمام مراحل یکدم طے کر لے تو ماں کے لئے اس کا برداشت کرنا

مشکل بلکہ ناممکن ہوتا ہے۔ یہ مختلف مراحل ماں کے لئے سہولت کا باعث ہیں۔

﴿۲﴾ اللہ تعالیٰ کی قدرت و کبریائی کا اظہار بھی ہے۔ انسان اگر اپنی تخلیق کے ان مراحل پر ذرا غور کرے تو غرور و تکبر سے باز رہے۔ قرآن مجید میں بار بار انسانوں کو اپنی حقیقت پر غور کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

﴿۳﴾ اللہ تعالیٰ بدبودار پانی کے قطرے سے انسان بنانے پر قادر ہے تو مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ پیدا کرنا بھی اس کے لئے کوئی مشکل نہیں۔

﴿۴﴾ اس میں انسانوں کو یہ سبق بھی دیا گیا ہے کہ انہیں اپنے تمام معاملات کو اطمینان سے تدریجاً سرانجام دینا چاہیئے۔ عجلت میں کوئی فائدہ نہیں۔ قدرت و طاقت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو دفعتاً پیدا نہیں کیا۔ زمین و آسمان چھ دنوں میں پیدا کئے لہٰذا انسان کو بھی جلد بازی سے کام نہیں لینا چاہیئے۔

ان کے علاوہ بھی اس میں لاتعداد مصلحتیں ہوں گی اہل علم غور کر سکتے ہیں۔ چالیس چالیس دن کے تین مراحل مکمل ہونے کے بعد اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجا جاتا ہے جو آکر اس میں روح پھونکتا اور اس کے متعلق چار امور لکھ دیتا ہے۔

رزق، عمر، عمل، اور انجام یعنی شقی ہو گا یا سعید یہ امور انسان کی تقدیر کہلاتے ہیں۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر انسان کی تقدیر زمین و آسمان کی تخلیق سے بھی بہت پہلے لوح محفوظ میں ثبت ہے۔ یہ لکھنا لوح محفوظ سے الگ ہے۔ لوح محفوظ تو پوری کائنات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے موافق ہے۔ جبکہ اس تحریر کا تعلق صرف پیدا ہونے والے اس ایک فرد سے ہوتا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس فرد کے متعلق جو کچھ ہوتا ہے فرشتے پر اس کا اظہار کر دیا جاتا ہے۔

تقدیر کے مسئلہ میں اکثر لوگ پریشان ہوتے ہیں کہ ہمارے نیک و بد ہونے اور جنتی یا جہنمی ہونے کے فیصلے پہلے ہی ہو چکے ہیں تو اب عمل کرنے کا فائدہ یا ضرورت کیا ہے؟ یہ سب تقدیر سے لاعلمی کی بنا پر ہے۔ تقدیر محض اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے اللہ تعالیٰ اپنے کامل علم کی روشنی میں ہر انسان کے بارے میں پہلے سے جانتا ہے کہ یہ شخص کس قسم کے

اعمال کرے گا اور اس کا انجام کیا ہو گا؟ اس میں جبر نام کی کوئی چیز نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عمل کرنے میں انسان کو مکمل طور پر اختیار دیا گیا ہے کہ وہ جو راہ چاہے اختیار کرے اس کی اپنی مرضی ہے۔ ایک دفعہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہی سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا:

«اِعْمَلُوا! فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِّمَا خُلِقَ لَهُ» (صحيح البخاري، التفسير، باب فسنيسره للعسرىٰ، ح:٤٩٤٩ وصحيح مسلم، القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن أمه. . .، ح:٢٦٤٧)

"تم عمل کرتے رہو ہر ایک کو اس عمل کی توفیق مل جائے گی جس کے لئے اسے پیدا کیا گیا ہے۔"

نیز دیکھیں کہ انسان کے رزق کے متعلق بھی تو فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ شخص فلاں فلاں رزق کھائے گا وہ رزق اسے لامحالہ مل کر رہے گا لیکن اس ایمان کے باوجود انسان حصولِ رزق کے لئے مکمل محنت کرتا اور ہاتھ پاؤں مارتا ہے۔ اسی طرح اس کی عمر کے متعلق بھی پہلے سے فیصلہ ہو چکا ہے اس کے باوجود اپنے آپ کو زندہ رکھنے کے لئے ہزاروں جتن کرتا ہے اور حوادث و خطرات سے بچنے کے لئے پوری کوشش کرتا ہے حالانکہ موت برحق ہے اسی وقت آئے گی جب اس کا وقت آئے گا لیکن موت پر یقین کے باوجود ممکن حد تک انسان اپنے آپ کو خطرات سے بچاتا ہے۔ اسی طرح انسان چونکہ اپنے متعلق نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا انجام کیا لکھا ہے اسے اپنا انجام بہتر بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنی چاہیئے۔

شقی یا سعید

جس شخص میں حق کو قبول کرنے اور اعمال صالحہ بجا لانے کی صلاحیت ہو اور وہ حق کے مطابق نیک اعمال کرے تو وہ سعید ہوتا ہے اور اس کے برعکس شخص کو شقی (بدبخت) کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم اٹھا کر فرمایا:

اللہ تعالیٰ کی قسم! جس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں' کوئی شخص ساری زندگی اہل جنت کے اعمال (صالحہ) کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ باقی رہ جاتا ہے اور وہ جنت میں جانے کے قریب ہوتا ہے کہ وہ نوشتہ اس پر

غالب آجاتا ہے اور وہ کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کے نتیجہ میں وہ جہنم رسید ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی شخص برے اعمال کر کے جہنم میں جانے والا ہو جاتا ہے کہ اس پر سابقہ تحریر غالب آجاتی ہے اور وہ توبہ اور نیک اعمال کر کے جنت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کے جنتی یا جہنمی ہونے کا فیصلہ اس تحریر کی بنیاد پر نہیں ہوتا بلکہ انسان کے اپنے کیے ہوئے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اپنے یا کسی دوسرے شخص کے ظاہری اعمالِ صالحہ کو دیکھ کر اس کے قطعی جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا' نامعلوم آئندہ زندگی میں اس کے اعمال کیسے ہوں؟ اسی طرح اس کے گناہوں کو دیکھ کر قطعی جہنمی ہونے کا فیصلہ کرنا بھی مشکل ہے۔ عین ممکن ہے کہ وہ توبہ کرلے اور نیک عمل کر کے اپنے رب کو راضی کرلے۔ اور اس کا خاتمہ بالخیر ہو' زندگی کے آخری لمحہ تک نیکی یا بدی کا پانسہ پلٹ سکتا ہے۔

اس حدیث میں نیک اعمال کی ترغیب ہے کہ شاید یہی زندگی کا آخری لمحہ ہو اسی طرح گناہوں سے نفرت دلائی گئی ہے نامعلوم یہ وقت زندگی کا آخری لمحہ ہو اور گناہ کرتے ہوئے موت آگئی تو انجام بخیر نہ ہو۔ کیونکہ انسان کو اپنی موت کا کوئی علم نہیں کہ کب آجائے اس لئے اسے ہروقت اس کی فکر ہونی چاہیے۔ اسی لیے نبی ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی:

«يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوب! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِينِكَ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب دعاء: يا مقلب القلوب، ح:٣٥٢٢ وانظر صحيح الجامع الصغير للألباني، ح:٧٩٨٧)

"اے دلوں کو پھیرنے والے (اللہ)! میرے دل کو دین پر ثابت رکھ۔"

ایک اور دعا ہے۔

«يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوبِ! ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى طَاعَتِكَ»(مسند أحمد: ٢/ ٤١٨)

"اے دلوں کو پھیرنے والے (اللہ)! میرے دل کو اپنی اطاعت پر ثابت رکھ۔"

نیز قرآن مجید میں مسلمانوں کو دینِ اسلام کی سلامتی کے لیے یہ دعا سکھائی گئی ہے۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ

اَلْوَهَّابُ ﴿٨﴾ (آل عمران۳/ ۸)

"اے ہمارے رب! جب تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز کیا تو اس کے بعد ہمارے دلوں کو ہدایت سے نہ موڑ اور ہمیں اپنی رحمتوں سے نواز بے شک تو بے حد و حساب عطا فرمانے والا ہے۔"

یہ دعا ہر نماز میں یا نماز کے بعد ضرور کرنی چاہیئے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔ آمین۔

۵۔ مذمت بدعت

عَنْ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ أُمِّ عَبْدِاللهِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «مَنْ أَحْدَثَ فِي أَمْرِنَا هٰذَا مَا لَيْسَ مِنْهُ فَهُوَ رَدٌّ» وَفِي رِوَايَةٍ لِّمُسْلِمٍ «مَنْ عَمِلَ عَمَلاً لَيْسَ عَلَيْهِ أَمْرُنَا فَهُوَ رَدٌّ»(رواه البخاري ومسلم)

ام المؤمنین ام عبداللہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو شخص ہمارے دین میں کسی ایسی بات کو جاری کرے جو اس دین میں نہیں ہے۔ تو وہ بات (عمل) مردود ہے۔" مسلم کی روایت کے الفاظ یوں ہیں: "کہ جو شخص ایسا عمل کرے جس کا ہمارے دین میں حکم نہیں تو وہ (عمل) مردود ہے۔"

تخريج: صحيح البخاري، الصلح، باب إذا اصطلحوا على صلح جور فالصلح مردود، ح:٢٦٩٧ وصحيح مسلم، الأقضية، باب نقض الأحكام الباطلة ورد محدثات الأمور، ح:١٧١٨.

شرح الالفاظ: [مَنْ أَحْدَثَ] جو شخص اپنی طرف سے جاری کرے۔ [فی أَمْرِنَا] ہمارے اس دین میں جسے اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے منتخب فرمایا ہے۔ [مَا لَيْسَ مِنْهُ] ایسا عمل جو دین کے منافی اور مخالف ہو یا وہ ایسا عمل ہو جس کی تائید دین کے عمومی قواعد و دلائل سے نہ

ہوتی ہو۔ [فَهُوَ رَدٌّ] وہ فعل اپنے بطلان اور عدم اعتبار کے سبب اسی فاعل پر لوٹا دیا جائے گا۔

تشریح : آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں فرمایا ہے کہ جو شخص ہمارے اس دین میں کسی ایسی بات کو جاری کرے جس کا اس میں حکم نہیں ہے یا اس کا وجود نہیں ہے۔ تو وہ مردود ہے۔ دین اسلام' اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلۡإِسۡلَٰمُۗ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

''بے شک اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ دین صرف اسلام ہے۔''

جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین' مذہب یا طریقہ اختیار کرے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہرگز سند قبولیت نہیں پاسکتا چنانچہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿ وَمَن يَبۡتَغِ غَيۡرَ ٱلۡإِسۡلَٰمِ دِينٗا فَلَن يُقۡبَلَ مِنۡهُ وَهُوَ فِي ٱلۡأٓخِرَةِ مِنَ ٱلۡخَٰسِرِينَ ﴿٨٥﴾ ﴾ (آل عمران۳/ ۸۵)

''جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی دوسرا دین یا مذہب اختیار کرے وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور ایسا شخص آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا۔''

انسان اپنی کمزوری اور لاعلمی کے باعث نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کن کاموں سے راضی اور کن کاموں سے ناراض ہوتا ہے اس لئے انسانوں کے لئے دین' مذہب اور ضابطۂ حیات بھی خود اللہ تعالیٰ نے مقرر فرما دیا ہے۔ جس میں کسی کو ترمیم یا تنسیخ و تبدیلی کرنے کا حق حاصل نہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ ٱلۡيَوۡمَ أَكۡمَلۡتُ لَكُمۡ دِينَكُمۡ وَأَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلۡإِسۡلَٰمَ دِينٗاۚ ﴾ (المائدة۵/ ۳)

''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمہارے اوپر پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا ہے۔''

چونکہ دین ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہے اس میں کسی بھی لحاظ سے کوئی کمی نہیں۔ اب اگر کوئی شخص اپنی طرف سے دین میں کسی بات کا اضافہ کرے تو گویا ایسا شخص دین کو ناقص سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے مقام پر یا منصب رسالت پر خود فائز ہونا چاہتا ہے۔ جس چیز کا

دین میں بنیاد موجود نہ ہو‘ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے اس کی اجازت نہ دی ہو‘ اسے ازخود نیکی سمجھتے ہوئے دین کا حصہ سمجھنا یا باعث ثواب سمجھنا گمراہی ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں ایسا عمل بدعت کہلاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ نے بار ہا بدعت کی مذمت بیان فرمائی اور اس کے ہولناک انجام سے ڈرایا ہے۔ آپ ہر خطبہ کے آغاز میں فرمایا کرتے تھے:

«وَشَرُّ الأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَكُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلاَلَةٌ»
(صحيح مسلم، الجمعة، باب تخفيف الصلاة والخطبة، ح:٨٦٧ وسنن النسائي، العيدين، باب كيف الخطبة، ح:١٥٧٩ وسنن ابن ماجه، المقدمة، باب اجتناب البدع والجدل، ح:٤٥)

”(بے شک) دین میں نئے کام سب سے برے ہیں اور ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«وَكُلُّ ضَلاَلَةٍ فِي النَّارِ»(سنن النسائي، ح:١٥٧٩)

”ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔“

اسی لئے ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں‘ اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے ہمیں صاف اور روشن شاہراہ پر چھوڑا ہے۔ جس کی رات بھی دن کی مانند روشن اور واضح ہے۔“ (سنن ابن ماجه‘ المقدمة‘ باب اتباع سنة رسول الله ﷺ‘ حديث:٥)

یعنی اس میں تاریکی‘ سیاہی اور اندھیرا نہیں ہے۔ اس سے انحراف کرنے والا تباہ ہو گا۔

حضرت مولانا حاکم علی صاحب رحمہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ رحمانیہ کراچی‘ فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا دنیا میں وجود مسعود‘ دن کی مانند اور آپ کا اس دنیا سے رخصت ہو جانا رات کی مثل ہے۔ لیکن دین اس قدر واضح اور صاف ہے کہ آپ کے بعد بھی امت کے لئے دین کے مسئلہ میں کوئی ابہام نہیں۔

اسلام ہر اعتبار سے ایک کامل و مکمل دین اور جامع نظریۂ حیات ہے اور اس میں انسانی

زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق احکام اور ہدایات موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دین کے نام پر اپنی طرف سے کسی کو اس میں اضافہ یا تبدیلی کی اجازت نہیں دی گئی۔ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ خطبہ دیتے ہوئے فرمایا "میرے بعد بہت سے اختلافات رونما ہوں گے تم میری اور خلفائے راشدین کی سنت کو مضبوطی سے تھامے رکھنا او دین میں ایجاد کردہ نئ نئ باتوں سے احتراز کرنا کیونکہ ہر نئ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" (سنن ابی داود' السنة' باب فی لزوم السنة' ح:٤٦٠٧' جامع الترمذی' ح:٢٦٧٦)

بدعت نہ صرف ایک خلاف شریعت عمل ہے بلکہ اختلاف و انتشار کا سبب بھی ہے۔ اس سے امت میں گروہ بندی اور فرقے پیدا ہوتے ہیں۔ بدعت سنت کی ضد ہے۔ حسان بن عطیہ (تابعی) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے: "جس قوم نے کوئی بدعت ایجاد کی تو ان سے اسی قدر سنت اٹھا لی جاتی ہے پھر اللہ تعالیٰ قیامت تک اس سنت کو لوگوں کی طرف نہیں لوٹاتا۔" (تفصیل کے لیے: مشکوۃ للالبانی ٦٦/١)

اس تفصیل سے بدعت کی شناعت واضح ہوتی ہے کہ بدعت نہ صرف ایک مذموم عمل ہے بلکہ یہ گمراہی اور دخولِ جہنم کا سبب بھی ہے۔ بعض بدعتی حضرات اپنی ایجاد کردہ بدعات کو سندِ جواز دینے کے لئے بدعت کو حسنہ اور سیئہ میں تقسیم کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بدعت سیئہ مذموم ہے اور بدعت حسنہ مستحسن ہے۔ یہ محض شیطانی دھوکہ اور وسوسہ ہے ورنہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق [كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ] ہر بدعت گمراہی اور [كُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ] ہر گمراہی کا انجام جہنم ہے۔

٦۔ حلال' حرام اور اصلاحِ قلب

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ، وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ، وَبَيْنَهُمَا أُمُورٌ مُّشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ، فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ

اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ، وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَام كَالرَّاعِي يَرْعٰى حَوْلَ الْحِمٰى يُوشِكُ أَنْ يَّرْتَعَ فِيهِ، أَلاَ وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى، أَلاَ وَإِنَّ حِمَى اللهِ مَحَارِمُهُ أَلاَ وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ: أَلاَ وَهِيَ الْقَلْبُ»(رواه البخاري ومسلم)

ابو عبداللہ سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”حلال چیزوں کا حکم بالکل واضح ہے اور حرام چیزوں کا حکم بھی واضح ہے ان دونوں (حلال و حرام) کے درمیان کچھ امور متشابہ ہیں جن کی حلت و حرمت کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص اس قسم کی غیرواضح اشیاء سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچالیا۔ اور جو شخص اس قسم کے امور کو اختیار کرنے لگے وہ حرام میں جاپڑے گا جیسا کہ کوئی چرواہا چراگاہ کے آس پاس جانوروں کو چرائے تو ہو سکتا ہے کہ جانور چراگاہ میں جا پہنچیں۔ خبردار! ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ سے مراد اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ خبردار! جسم میں گوشت کا ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست رہتا ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ خبردار! وہ گوشت کا ٹکڑا دل ہے۔“

تخریج: صحيح البخاري، الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، ح:٥٢، ٢٠٥١ وصحيح مسلم، المساقاة، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، ح:١٥٩٩.

شرح الالفاظ: [بَيِّنٌ] ”ظاہر“ ان سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کی حلت و حرمت اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول کی نص یا مسلمانوں کے اجماع سے واضح طور پر ثابت ہے۔ [مُشْتَبِهَاتٌ] سے مراد وہ امور اور اشیاء ہیں جن کی حلت و حرمت کے دلائل واضح نہ ہوں بلکہ بعض دلائل میں ان کی حلت کا اشارہ ہو اور بعض سے ان کی حرمت معلوم ہوتی ہو۔

وجوہِ اشتباہ: ① اختلاف علماء' کیونکہ تحقیق یا ترجیح دلائل میں اختلاف ہو سکتا ہے۔

② بعض اشیاء من وجہ قابل ترک اور من وجہ لائق اخذ ہوں' جیسے عورتوں کا بار بار قبرستان جانا۔

③ بعض اشیاء اصل میں حلال ہیں لیکن بعد میں کسی حجت' قصہ یا قرینہ و علامت کی بنا پر اس کی حرمت کا اشتباہ پیدا ہوا جیسے کسی نے' اپنا شکاری کتا بسم اللہ پڑھ کر چھوڑا لیکن بعد میں اس کے ساتھ کوئی اور کتا بھی شریک ہو گیا۔

④ دلائل میں تعارض ہے۔

⑤ یا اس سے مراد مباح یا مکروہ یا ان اشیاء کا کثرت سے استعمال ہے۔

علماء کا قول ہے کہ مباح اشیاء کا زیادہ استعمال' مکروہ کے ارتکاب کا پیش خیمہ ہے اور مکروہ اشیاء کا عام استعمال حرام کے ارتکاب کا باعث بنتا ہے۔

[اتَّقَى الشُّبُهَاتِ] ان مشتبہ امور سے بچا۔ [فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهِ وَ عِرْضِهِ] اس نے اپنی دینی حالت کو شرعی مذمت سے اور اپنی عزت کو لوگوں کے طنز سے محفوظ کر لیا۔ [وَقَعَ فِی الشُّبُهَاتِ] یعنی جو شخص جرأت کر کے اس قسم کے غیر واضح امور کو اختیار کرے اور ان کا ارتکاب کرے تو اس سے اس میں دینی تساہل آ جاتا ہے جس کے نتیجہ میں بالعموم صریح حرام کے ارتکاب کی جرأت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں فرمایا کہ شرعی طور پر جو چیزیں حلال یا حرام ہیں ان کا حکم بالکل واضح ہے اور ان کے لیے کتاب و سنت کے واضح دلائل موجود ہیں۔ البتہ بعض چیزیں ایسی ہیں جن کی حلت و حرمت کی صراحت نہیں۔ ایسی صورت میں آپ ﷺ نے ایک جامع اصول بیان فرمایا کہ جس چیز کی حلت و حرمت واضح نہ ہو اس سے اجتناب ہی کیا جائے۔ کیونکہ اگر آدمی اس قسم کی مشکوک اشیاء سے پرہیز نہ کرے تو

اندیشہ ہے کہ وہ آہستہ آہستہ حرام بھی استعمال کر لے گا۔ آنحضرت ﷺ کا بھی یہی معمول مبارک تھا کہ آپ مشتبہ اشیاء سے خوب احتیاط فرماتے۔ آپ کو اگر یونہی کہیں سے کوئی کھجور مل جاتی تو محض اس خوف سے نہ کھاتے کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو۔

ایک دفعہ آپ ﷺ کے نواسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے ہمراہ جا رہے تھے' راستہ میں کھجور پڑی ملی تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اٹھا کر منہ میں ڈال لی۔ آپ نے ان کے منہ میں انگلی ڈال کر کھجور نکلوا دی کہ کہیں یہ صدقہ کی نہ ہو جو کہ میرے اور میری آل کے لئے حلال نہیں۔ (صحیح مسلم' الزکوٰۃ' باب تحریم الزکاۃ علی رسول اللہ ﷺ وھم بنو ھاشم و بنو المطلب دون غیرھم ح:۱۰۶۹)

اس لئے امت کو مشتبہ امور سے بچنے کی ہدایت فرمائی کہ اس سے انسان کا دین اور عزت دونوں محفوظ رہتے ہیں۔ پھر آپ نے یہی بات ایک چرواہے کی مثال دے کر واضح فرمائی جو بادشاہ کی مقرر کردہ چراگاہ کے اردگرد جانوروں کو چرائے تو ممکن ہے کہ اس کے جانور سلطانی چراگاہ کے اندر جا داخل ہوں۔ جس سے بادشاہ خفا ہو اور اسے سزا دے۔ آپ نے فرمایا: جس طرح بادشاہ کی کچھ مقررہ حدود ہوتی ہیں جنہیں توڑنے اور ان سے تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بھی کچھ حدود ہیں۔ اس کی حدود اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں اس کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کرنے والا اللہ تعالیٰ کے غضب کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے انسان کے سینے میں دھڑکنے والے دل کے متعلق فرمایا کہ اسکا خاص خیال رکھا کرو۔ سارے جسم کا دارومدار دل پر ہے دل کا بگاڑ پورے جسم کا بگاڑ اور دل کی اصلاح سے پورے جسم کی اصلاح ہوتی ہے۔ دل کی اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

«اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِي قَلْبِي نُوراً»(صحيح البخاري، الدعوات، باب الدعاء إذا انتبه من الليل، ح:٦٣١٦ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب صلاة النبي ﷺ ودعائه بالليل، ح: ٧٦٣)

"یااللہ! میرے دل کو (اپنے دین اور اطاعت کے نور سے) منور فرما۔"

دل انسانی افکار و خیالات' جذبات و احساسات اور تمام جسمانی حرکات و سکنات کا مرکز و محور ہے۔ پہلے دل میں کوئی ارادہ یا خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس کے بعد انسان اسے عملی جامہ پہناتا ہے۔ اس لیے دل کی اصلاح بدن کی اصلاح سے مقدم ہے کیونکہ بدن' دل کا تابع ہے۔ پیشِ نظر حدیث میں یہی تلقین کی گئی ہے کہ احکام دین کی بجا آوری میں حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے تقویٰ اسی چیز کا نام ہے کہ انسان حرام و مکروہات کے ساتھ ساتھ ایسی مباح چیزوں کو بھی ترک کر دے جن میں کراہت یا حرمت کا ادنیٰ شائبہ بھی پایا جاتا ہو۔ اسی تقویٰ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۲)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔"

نیز آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب ٦٠، ح:٢٥١٨)

"جو باتیں شک میں ڈالیں انہیں چھوڑ دو اور جو شک میں نہ ڈالیں انہیں اختیار کرو۔"

ایک اور موقع پر آپ نے دل کی طرف اشارہ کر کے فرمایا:

«اَلتَّقْوٰى هٰهُنَا»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم ظلم المسلم وخذله ....، ح: ٢٥٦٤)

"اصل تقویٰ یہاں ہوتا ہے۔"

چونکہ پورے جسم کا دارومدار دل پر ہے اس لئے اس کی اصلاح کی بہت ضرورت ہے دل کی اصلاح پورے جسم کی اصلاح ہے۔

۷۔ اخلاص' خیرخواہی' وفاداری

عَنْ أَبِي رُقَيَّةَ تَمِيمِ بْنِ أَوْسٍ الدَّارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: «**الدِّينُ النَّصِيحَةُ**» قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ:

«لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهِ وَلِرَسُولِهِ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ وَعَامَّتِهِمْ»(رواہ مسلم)

ابورقیہ سیدنا تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "دین خیرخواہی کا نام ہے۔" ہم (صحابہ) نے کہا۔ (خیرخواہی) کس کے لئے ہو؟ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے لئے' اس کی کتاب کے لئے' اس کے رسول کے لئے' مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لئے۔"

تخریج: صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح: ٥٥.

شرح الالفاظ: [اَلنَّصِيحَةُ] کسی چیز کو خالص اور صاف کرنا۔ اس سے اشتقاق کر کے عرب کہتے ہیں [نَصَحْتُ الْعَسَلَ] میں نے شہد کو صاف کیا۔ یہ جملہ اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے خوب صاف کر لیا جائے۔ ایک قول کے مطابق' نصیحت کا لفظ [نَصَحَ الرَّجُلُ ثَوْبَهُ] سے مشتق ہے۔ یہ جملہ اس وقت کہتے ہیں جب کوئی شخص اپنا کپڑا سی کر درست کرے۔ گویا اس طرح منصوح کے ساتھ ناصح کے عمل کو کپڑے کے درست کرنے سے تشبیہ دی گئی ہے۔

تشریح: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر حدیث مبارک میں فرمایا: «الدين النصيحة» دین خیر خواہی کا نام ہے کہ دین کا دارومدار نصیحت یعنی ہمدردی اور خیر خواہی پر ہے۔ نصیحت ایک جامع لفظ ہے جس کا مفہوم بہت زیادہ وسیع ہے' یہاں اس کا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ حقدار کے حق کی حفاظت کرنا۔

اردو میں اس لفظ کا مفہوم' حق ادا کرنا' خیر خواہی اور اخلاص ہے' یہ چیز دین کا اصل جز ہے۔ اسی لئے جب آپ نے فرمایا کہ دین' نصیحت کا نام ہے۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے فوراً دریافت کیا' اے اللہ کے رسول! یہ نصیحت کس کے حق میں ہو؟ تو آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے لئے' اس کی کتاب کے لیے' اس کے رسول کے لئے' مسلمانوں کے حکمرانوں اور عوام کے لئے۔

اللہ تعالیٰ کے حق میں نصیحت انسان صدق دل سے اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے' اس کے احکام کی اطاعت کرے' اس کی ذات اور صفات اور حقوق میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے' اسے ہر عیب سے پاک و منزہ سمجھے اسی سے محبت رکھے۔ اس کی نافرمانی سے بچے' جو کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں وہ کرے اور جن کاموں سے وہ ناراض ہوتا ہے ان سے بچے۔

کتاب اللہ کے حق میں نصیحت قرآن پر ایمان رکھے' اور پوری توجہ کے ساتھ اس کی تلاوت کرے اور معانی مطالب پر غور کرے اور امکانی حد تک اس پر عمل بھی کرے۔

رسول کے حق میں نصیحت آپ کی رسالت پر ایمان لائے سب سے بڑھ کر آپ سے محبت رکھے' آپ کی تعظیم کرے' آپ کی سنت و احکام پر عمل کرنے کا شیدائی ہو' اور اپنی زندگی کو اسوۂ رسول میں ڈھالنے میں کوشاں رہے۔

ائمہ مسلمین کے حق میں نصیحت مسلمان ائمہ (حکام) کے حق میں نصیحت یہ ہے کہ دین کی حدود کے اندر رہتے ہوئے ان کی اطاعت کرے' انہیں اچھے مشورے دے' غلطی سے آگاہ کرے' انہیں ظلم و تعدی سے روکے اور ان کے خلاف بغاوت نہ کرے۔

عامۃ المسلمین کے حق میں نصیحت ان کے ساتھ ہمدردی رکھے' حسنِ سلوک سے پیش آئے' ممکن حد تک ہر ایک کو فائدہ پہنچائے' کسی کو ایذا نہ دے' بڑوں کا احترام کرے اور چھوٹوں سے شفقت سے پیش آئے۔ ان کے عیوب پر پردہ ڈالے' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا رہے۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«بَايَعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ» (صحيح البخاري، مواقيت الصلاة، باب البيعة على إقام الصلاة، ح:٥٢٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، ح:٥٦)

"میں نے رسول اللہ ﷺ سے تین باتوں کی بیعت کی ① اقامت صلوٰۃ یعنی پابندی سے نماز پڑھنا۔ ② زکوٰۃ ادا کرنا۔ ③ اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا۔"

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ زندگی بھر اس عہد کے پابند رہے اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرتے رہے۔ ان کے فضائل و مناقب کے سلسلہ میں حافظ طبرانی رحمہ اللہ نے ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خادم کو حکم دیا کہ کوئی گھوڑا خرید لائے۔ خادم نے تین سو درہم کا گھوڑا خریدا اور گھوڑے کے مالک کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تاکہ اسے قیمت ادا کر دی جائے حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے گھوڑے کے مالک سے فرمایا: تم نے یہ تین سو کا بیچا ہے لیکن گھوڑا اس سے زیادہ قیمت کا ہے کیا تم اسے چار سو درہم میں بیچنے پر تیار ہو اس نے کہا آپ کی مرضی ہے۔ آپ نے پھر فرمایا: تمہارے گھوڑے کی قیمت اس سے بھی زیادہ ہے۔ کیا پانچ سو میں ٹھیک ہے اسی طرح آپ سو سو درہم بڑھاتے گئے اور مالک راضی ہوتا گیا۔ وہ کیوں راضی نہ ہوتا اسے تو تین سو کی بجائے زیادہ رقم مل رہی تھی۔ آخر انہوں نے وہی گھوڑا آٹھ سو درہم میں خرید لیا انہیں کہا گیا کہ حضرت! یہ گھوڑا تین سو میں مل رہا تھا آپ نے اس قدر رقم دے دی؟ تو فرمایا: میں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کروں گا۔

(فتح الباری ۱/۱۸۳، تحت ح: ۵۷، طبع دار السلام)

۸۔ تحفظ جان و مال مسلم

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لاَّ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللهِ، وَيُقِيمُوا الصَّلاَةَ، وَيُؤْتُوا الزَّكَاةَ، فَإِذَا فَعَلُوا، ذٰلِكَ عَصَمُوا مِنِّي دِمَاءَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ إِلاَّ بِحَقِّ الإِسْلاَمِ، وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ»(رواه البخاري ومسلم)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کرتا رہوں تاآنکہ وہ گواہی دیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی سچا معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں' نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں۔ جب وہ یہ کام کرلیں تو وہ مجھ سے اپنے خون اور اموال محفوظ کرلیں گے سوائے کسی اسلامی حق کے اور ان کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہوگا۔"

تخريج: صحيح البخاري، الإيمان، باب فإن تابوا وأقاموا الصلوة و اٰتوا الزكاة فخلوا سبيلهم، ح: ٢٥ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الأمر بقتال الناس حتى يقولوا لا إله إلا الله، ح: ٢٢.

شرح الالفاظ: [أُمِرْتُ] مجھے حکم دیا گیا ہے یعنی مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ [اَلنَّاسَ] بت پرست مشرک لوگ۔ [یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ] نماز کو اس طرح ادا کریں جیسے اس کی ادائیگی کا حکم ہے اس سے نماز کا دوام مراد ہے۔ [یُؤْتُوا الزَّکٰوۃَ] یہاں تک کہ وہ زکوٰۃ کو مستحقین تک پہنچا دیں۔ [عَصَمُوْا] بچالیا اور محفوظ کرلیا۔ اسی سے اِعْتَصَمْتُ بِاللّٰہ کا لفظ مشتق ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ اس کی نافرمانی سے بچ گیا۔ [إِلَّا بِحَقِّ الْإِسْلَامِ] یہ استثناء منقطع ہے اس کا معنی ہے کہ اپنی جانوں اور اموال کے بچالینے کے بعد ان پر واجب ہے کہ وہ ضروریات دین کو پورا کریں اور جو شخص ان کا تارک ہو' اسے قتل کرنا جائز ہے۔ مثلاً کوئی شادی شدہ زنا کرے' یا کوئی قبولِ ایمان کے بعد مرتد ہو جائے' یا کسی کو ناحق قتل کرے وغیرہ۔ [وَ حِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ] ان کے باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے کیونکہ اس کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

تشریح: آنحضرت ﷺ نے اس حدیث مبارک میں یہ حقیقت واضح فرمائی ہے کہ جو شخص توحید و رسالت کا اقرار کرتا ہو' نماز اور زکوٰۃ کا پابند ہو تو شرعی طور پر اس کا خون اور مال محفوظ ہے اور کسی کو اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنے کی اجازت نہیں۔ اس طرح آپ نے قرآنی آیت [فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ] "ان کی راہ چھوڑ دو" کی توضیح و تشریح فرمادی۔

بلکہ حد یہ ہے کہ اگر عین میدانِ قتال میں دورانِ جنگ کوئی کافر زبان سے کلمۂ اسلام ادا کرے تو اس سے لڑنے یا اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں۔

ایک لڑائی کے دوران حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کسی کافر پر غالب آ گئے وہ اسے قتل کرنے کے قریب تھے کہ اس نے کلمہ پڑھ لیا مگر انہوں نے اسے شدت جذبات میں قتل کر دیا کہ یہ محض اپنی جان بچانے کے لیے کلمہ پڑھ رہا ہے۔ واپس آکر یہ ماجرا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کیا تو آپ نے فرمایا: کیا تم نے اسے کلمہ پڑھنے کے بعد قتل کر دیا' انہوں نے کہا: یارسول اللہ! اس نے محض جان بچانے کی خاطر کلمہ پڑھا تھا۔ آپ نے فرمایا: [اَفَلاَ شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهِ] تو نے اس کا دل چیر کے کیوں نہ دیکھ لیا کہ وہ صدقِ دل سے کلمہ پڑھ رہا ہے یا محض جان بچانے کی خاطر؟ آپ نے یہ بات اتنی دہرائی کہ میں نے تمنا کی کہ میں پہلے مسلمان نہ ہوا ہوتا اور آج مسلمان ہوتا' تاکہ اس جرم سے بچ جاتا۔ (صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم قتل الکافر بعد قوله لا اله الا اللّٰه' ح:٩٦)

لہٰذا جو شخص کلمہ اسلام پڑھ کر اسلامی احکامات پر کاربند ہو تو اسکا خون اور مال محفوظ ہو جائے گا۔ لیکن شریعت کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز اور ان کی خلاف ورزی کی صورت میں انہیں کسی قسم کا تحفظ حاصل نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں بعض قبائل کے خلاف محض اس لئے جنگ کی گئی تھی کہ وہ لوگ زکوٰۃ کا انکار کر کے مرتد ہو گئے تھے۔ جو مسلمان اسلامی حدود کی خلاف ورزی کرے تو وہ شرعی حد سے نہیں بچ سکتا۔ مثلاً قاتل کو قصاص میں قتل کیا جائے گا الّا یہ کہ مقتول کے ورثاء معاف کر دیں یا خون بہا (دیت) لینے پر راضی ہو جائیں۔ اسی طرح جرم ثابت ہونے پر چور کو بھی سزا دی جائے گی۔ الّا یہ کہ صاحب مال اسے عدالت میں پیش کرنے سے قبل معاف کر دے۔

معاملہ عدالت میں آ جانے کے بعد صاحب مال کو معاف کرنے کا حق نہیں رہتا۔ گویا جرم ثابت ہونے پر شرعی حدود کے مطابق سزا دی جائے گی اور حد نافذ کی جائے گی لیکن اگر کوئی شخص کسی جرم کا مرتکب ہو اور لوگوں کو پتہ نہ چل سکے تو ایسی صورت میں اس کا

معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے وہ چاہے تو سزا دے چاہے تو معاف کر دے۔

اسی سلسلے میں ایک اور حدیث ہے‘ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: جس نے لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھ لیا اس کا مال اور خون دوسرے مسلمان پر حرام ہے اس کے باقی اعمال کا حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر کوئی کافر میدان جنگ میں میرا ہاتھ کاٹ ڈالے اور پھر درخت کی اوٹ میں آ کر کہے میں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اسلام قبول کیا تو کیا میں اسے قتل کر سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا: نہیں‘ اس نے پھر کہا: کہ اس نے کلمہ پڑھنے سے قبل میرا ہاتھ کاٹا تھا۔ آپ نے فرمایا: اب جب کہ وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکا ہے تم اسے قتل نہیں کر سکتے۔ اگر تم نے اسے قتل کیا تو اسے قتل کرنے سے پہلے تمہارا جو درجہ تھا وہ اس درجے پر ہو گا اور تم اس کے درجے پر۔ یعنی پہلے اس کا خون بہانا جائز تھا اور تیرا قتل جائز نہ تھا۔ اب اس کو قتل کرنا جائز نہیں اور تجھے قتل کرنا جائز ہو گا۔ (صحیح مسلم‘ الایمان‘ باب تحریم قتل الکافر بعد قولہ: لا إلہ الا اللہ‘ ح:۹۵)

حضرت جندب بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے مسلمانوں کا ایک دستہ مشرکین کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔ لڑائی میں ایک مشرک بڑا بہادر اور نشانہ باز تھا وہ جس مسلمان پر حملہ کرتا جھپٹ کر اسے قتل کر ڈالتا۔ ایک مسلمان نے غالباً وہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے‘ اسے اچانک جا لیا اس پر تلوار اٹھائی تو اس نے فوراً لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ پڑھ لیا۔ مگر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے اسے قتل کر ڈالا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی ایک شخص نبی ﷺ کو خوشخبری دینے مدینہ منورہ آیا اور اس نے تمام احوال ذکر کئے تو یہ واقعہ بھی بیان کیا۔ آپ نے اسے (قاتل کو) بلایا اور پوچھا تم نے اسے کیوں قتل کیا؟ اس نے بتایا‘ یا رسول اللہ! اس نے مسلمانوں کا کافی جانی و مالی نقصان کیا اور فلاں فلاں مسلمان کو قتل کیا تھا۔ میں اس پر حملہ آور ہوا تو اس نے تلوار دیکھ کر فوراً کلمہ پڑھ لیا آپ نے فرمایا: کیا واقعی تم نے اسے قتل کر ڈالا؟ اس نے اقرار کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: جب قیامت کو یہ کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلاَّ اللّٰہ آئے گا تم کیا کرو گے؟ اس نے کہا: میری مغفرت کی دعا کریں مگر آپ بار بار یہی دہراتے رہے کہ تم قیامت کو کیا کرو گے؟ تمہارا کیا بنے گا کہ تم نے ایک کلمہ گو کو

قتل کر دیا۔ (صحیح مسلم' الایمان' باب تحریم قتل الکافر..... ح :۹۷)
یہی وجہ ہے کہ منافقین کو مسلمان ہی قرار دیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ دلی طور پر کلمہ کا اقرار نہیں کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے منافقین کے متعلق حتمی علم ہونے کے باوجود ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَلَّى صَلاَتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذٰلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلاَ تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ» (صحيح البخاري، الصلاة، باب فضل استقبال القبلة، ح: ٣٩١)

"جو شخص ہماری طرح نماز پڑھے' ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے' ہمارا ذبیحہ کھائے وہ مسلمان ہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی پناہ حاصل ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کی پناہ کی خلاف ورزی نہ کرو۔"

اس سے معلوم ہوا کہ ہم ظواہر شریعت کے پابند ہیں۔ جو شخص پابند صوم و صلوٰۃ ہو اسے کفر کا نشانہ نہیں بنایا جا سکتا اور نہ اس کی جان و مال کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے الاّ بحق الاسلام یعنی حدودِ اسلامیہ کی خلاف ورزی کرنے پر اس کی جان یا مال کو کوئی تحفظ نہیں۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منکرین زکوٰۃ کے خلاف جہاد کیا تھا۔

۹۔ اطاعت رسول کی فرضیت اور کثرت سوالات کی ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَبْدِالرَّحْمٰنِ بْنِ صَخْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ، فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ، فَافْعَلُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، فَإِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَثْرَةُ مَسَائِلِهِمْ وَاخْتِلاَفُهُمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ» (رواه البخاري ومسلم)

سیدنا ابو ہریرہ عبدالرحمٰن بن صخر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' فرمایا میں نے

رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ”میں تمہیں جس کام سے منع کروں اس سے باز رہو اور جس کام کا حکم دوں اسے بقدر استطاعت بجالاؤ تم سے پہلے لوگوں کو ان کے کثرت سوالات اور انبیاء سے اختلاف نے ہلاک کر ڈالا تھا۔“

تخریج: صحیح البخاري، الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحیح مسلم، الفضائل، باب توقیره ﷺ وترك إکثار سؤاله عما لا ضرورة إلیه . . . ح:١٣٣٧ قبل:٢٣٥٨.

تشریح: اس حدیث مبارک میں آنحضرت ﷺ نے دو باتیں ذکر فرمائی ہیں۔ اطاعت رسول کی اہمیت اور سابقہ اقوام کی ہلاکت کے بعض اسباب۔

انبیاء و رسل کی بعثت کا اصل مقصد بھی یہی ہے کہ ان کے احکام و ہدایات کی اتباع اور پیروی کی جائے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ ٱللَّهِ ﴾ (النساء٤/ ٦٤)

”ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔“

قرآن مجید میں متعدد مرتبہ حکم آیا ہے۔

﴿ قُلْ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلرَّسُولَ ﴾ (آل عمران ٣/ ٣٢)

”فرمادیجئے، تم اللہ تعالیٰ اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو۔“

ایک جگہ فرمایا:

﴿ مَّن يُطِعِ ٱلرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ ٱللَّهَ ﴾ (النساء٤/ ٨٠)

”جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔“

بالخصوص آنحضرت ﷺ کے متعلق امت کو فرمایا گیا۔

﴿ لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِى رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الأحزاب٣٣/ ٢١)

”البتہ تمہارے لئے رسول اکرم ﷺ کی ذات اقدس میں اسوۂ حسنہ ہے۔“

بلکہ نبی کی اطاعت ہی ہدایت کا معیار ہے۔

﴿ وَإِن تُطِيعُوهُ تَهْتَدُواْ ﴾ (النور٢٤/ ٥٤)

"اگر تم نبی کی اطاعت کروگے تو ہدایت پاجاؤ گے۔"

اسی طرح قرآن مجید میں ایک اور جگہ ارشاد ہے۔

﴿ وَمَآ ءَاتَىٰكُمُ ٱلرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَىٰكُمْ عَنْهُ فَٱنتَهُواْ ﴾ (الحشر٥٩/ ٧)

"رسول تمہیں جو کچھ دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔"

یہی بات خود آنحضرت ﷺ نے پیش نظر حدیث میں یوں بیان فرمائی۔

«مَا نَهَيْتُكُمْ عَنْهُ فَاجْتَنِبُوهُ، وَمَا أَمَرْتُكُمْ بِهِ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ»

(صحيح البخاري، الاعتصام بالكتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ح:٧٢٨٨ وصحيح مسلم، الفضائل، باب توقيره ﷺ وترك إكثار سؤاله، ح:١٣٣٧)

"میں تمہیں جس کام سے منع کر دوں اس سے باز رہو اور جس کام کا تمہیں حکم دوں اسے بقدرِ استطاعت بجالاؤ۔"

جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کرو۔ تو انھوں نے کٹ حجتیاں شروع کر دیں کہ وہ گائے کیسی ہو؟ کس عمر اور کس رنگ کی ہو؟ ان سب باتوں کی وضاحت کر دی گئی پھر بھی کہنے لگے کہ ہم پر گائے کا معاملہ مشتبہ ہو گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے کہو کہ خوب اچھی طرح بیان فرمائے چنانچہ مزید وضاحت چند پابندیوں کے ساتھ کر دی گئی۔ وہ اگر زیادہ سوال نہ کرتے بلکہ حکم سن کر جیسی بھی گائے ذبح کر دیتے حکم پر عمل ہو جاتا۔ مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَمْ تُرِيدُونَ أَن تَسْـَٔلُواْ رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِن قَبْلُ ﴾

(البقرة٢/ ١٠٨)

"کیا تم بھی اپنے رسول سے اس طرح سوال کرنا چاہتے ہو جس طرح تم سے پہلے موسیٰ سے سوال کیے گئے۔"

اسی طرح عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا تھا:

﴿هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ (المائدۃ۵/ ۱۱۲)
"کیا آپ کا رب آسمان سے پکا پکایا کھانا ہم پر نازل کر سکتا ہے؟"

اس قسم کے بے جا سوالات کی بنا پر وہ لوگ ہلاک ہوئے۔ کسی امر کی توضیح اور کسی ضرورت کے تحت سوال کرنے کی اجازت ہے لیکن خواہ مخواہ سوال در سوال کرتے رہنا اور دوسروں کو خواہ مخواہ پریشان یا لاجواب کرنے کی خاطر سوال کرنا مذموم ہے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے "اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سنی سنائی باتوں کو بلا تحقیق آگے بیان کرنے' کثرتِ سوالات اور مال ضائع کرنے کو ناپسند فرمایا ہے۔" (صحیح مسلم' الاقضیة باب النھی عن کثرۃ المسائل من غیر حاجة ..... ' حدیث ۱۷۱۵)

کوئی عالم اپنے زیر تعلیم اصحاب کے امتحان کی خاطر ان سے کوئی سوال کرے تو یہ جائز ہے جیسا کہ آنحضرت ﷺ بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بعض باتیں پوچھ لیا کرتے تھے۔ صحیح البخاري' العلم' باب طرح الامام المسألة علی أصحابه .....' ح :۶۲ و صحیح مسلم' صفات المومنین' باب مثل المؤمن مثل النخلة' ح :۲۸۱۱)

اسی طرح اگر کسی مسئلہ کی وضاحت اور علم میں اضافہ کی نیت سے سوال کر لیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: ایک دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "لوگو! تم پر (بیت اللہ کا) حج فرض کیا گیا ہے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا ہر سال؟ آپ شدید غضبناک ہوئے اور فرمایا۔ میں اگر ہاں کہہ دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اس صورت میں تم عمل نہ کر سکتے۔" (صحیح مسلم' الحج' باب فرض الحج مرۃ فی العمر' ح : ۱۳۳۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے۔

«ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ»(سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ح : ۲)

"میں تمہیں جس امر میں جہاں چھوڑ دوں مجھے وہیں رہنے دیا کرو اور مزید پوچھ گچھ نہ

کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوالات اور ان سے اختلاف ہی کے سبب ہلاک ہوئے۔"

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ نبی کی مخالفت اور بے جا سوالات کرنے کے نتیجے میں امت ہلاک ہو جاتی ہے۔ اسی لیے غیر ضروری سوالات سے منع کر دیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَسْـَٔلُوا۟ عَنْ أَشْيَآءَ إِن تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾

(المائدۃ ۵/ ۱۰۱)

"ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو تم پر عیاں ہو جائیں تو تمہیں ناگوار ہو۔"

بنی اسرائیل غیر ضروری سوالات کر کے انبیاء کو تکلیف دیا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ کے ساتھ بھی منافقین کا یہی طرزِ عمل تھا اسی لیے آپ نے خواہ مخواہ کرید سے منع فرمایا۔ آپ نے فرمایا: سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے کسی حلال چیز کے بارے میں دریافت کیا اور اس کے سوال کی وجہ سے اسے مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا۔ (سنن ابی داود' السنۃ' باب لزوم السنۃ' ح:۴۶۱۰)

۱۰۔ اکلِ حلال کی اہمیت اور کسبِ حرام کی مذمت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: «إِنَّ اللهَ طَيِّبٌ، لاَ يَقْبَلُ إِلاَّ طَيِّبًا، وَإِنَّ اللهَ أَمَرَ الْمُؤْمِنِينَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِينَ، فَقَالَ: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلرُّسُلُ كُلُوا۟ مِنَ ٱلطَّيِّبَـٰتِ وَٱعْمَلُوا۟ صَـٰلِحًا ﴾ [المؤمنون: ٥١] وَقَالَ: ﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُلُوا۟ مِن طَيِّبَـٰتِ مَا رَزَقْنَـٰكُمْ ﴾ [البقرة: ١٧٢] ثُمَّ ذَكَرَ، الرَّجُلَ يُطِيلُ السَّفَرَ، أَشْعَثَ أَغْبَرَ، يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَاءِ، يَارَبِّ! يَارَبِّ! وَمَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وَمَلْبَسُهُ

حَرَامٌ، وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذٰلِكَ؟»(رواه مسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور وہ صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو وہی حکم دیا ہے جو رسولوں کو دیا ہے'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اے میرے رسولو! پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھے عمل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا: اے ایمان والو! ہم نے جو پاکیزہ چیزیں تمہیں دی ہیں ان میں سے کھاؤ۔ اس کے بعد آپ نے اس شخص کا ذکر کیا جو طویل سفر کرے اس کے بال پراگندہ اور خود غبار آلود ہو وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر یارب! یارب! کہے مگر اس کی حالت یہ ہو کہ اس کا کھانا' پینا' لباس اور غذا ہر چیز حرام ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو۔''

تخریج: صحيح مسلم، الزكاة، باب قبول الصدقة من الكسب الطيب وتر بيتها، ح: ١٠١٥.

شرح الالفاظ: [طَيِّبٌ] ظاہری عیوب سے پاک' یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ہے۔ عمدہ' اعلیٰ اور اچھی چیز [لَا يَقْبَلُ إِلَّا طَيِّبًا] وہ وہی اعمال و اموال قبول کرتا ہے جو مفسدات سے پاک ہوں۔ یا یہاں طیب سے مراد حلال ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف حلال کو قبول فرماتا ہے۔ [أَمَرَ الْمُؤمِنِيْنَ بِمَا أَمَرَ بِهِ الْمُرْسَلِيْنَ] اللہ تعالیٰ نے جو حکم رسولوں کو دیا وہی اہلِ ایمان کو بھی دیا یعنی اکل حلال کا حکم رسولوں اور اہل ایمان کے لیے برابر ہے۔ [أَشْعَثَ] بکھرے ہوئے بالوں والا۔ [أَغْبَرَ] غبار آلود یعنی حج اور جہاد وغیرہ جیسے امور کی انجام دہی میں طویل سفر کی وجہ سے غبار نے اس کے بالوں کا رنگ بدل ڈالا ہو۔ [يَمُدُّ يَدَيْهِ إِلَى السَّمَآءِ] وہ آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہے یا رب! مجھے فلاں چیز سے محفوظ رکھ وغیرہ۔ [فَأَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهُ] یعنی جس کی یہ حالت اور کیفیت ہو اس کی دعا کیسے قبول ہو۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں رزقِ حلال کی اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اس کا اندازہ اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حلال و پاکیزہ رزق کے متعلق جو حکم اپنے انبیاء و رسل کو دیا ہے وہی حکم اہلِ ایمان کو بھی دیا ہے۔ نیز اس حدیث میں رزق حلال کو قبولیت اعمال کی شرط قرار دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود پاکیزہ ہے اور صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے۔ پراگندہ حال مسافر جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اگر اس کی غذا اور لباس حرام کا ہو تو اس کی دعا کیسے قبول ہو سکتی ہے؟ گویا رزق حلال اعمالِ صالحہ کی قبولیت کے لیے بنیادی شرط ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ وضو کے بغیر نماز قبول کرتا ہے نہ مالِ خیانت میں سے صدقہ' (صحیح مسلم' الطهارة' باب وجوب الطهارة للصلاة' ح:۲۲۴)

نیز آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ ''جو شخص حرام کما کر اس میں سے صدقہ کرے اسے کوئی ثواب نہیں ملتا بلکہ اس پر اس کا وبال پڑے گا۔'' (ابن حبان' حدیث :۳۳۶۷ و حسن اسناده الشيخ شعيب)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص پاکیزہ رزق میں سے خواہ ایک کھجور ہی صدقہ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دائیں ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ صرف پاکیزہ چیز ہی قبول کرتا ہے اور وہ اسے بڑھاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ پہاڑ سے بھی بڑی ہو جاتی ہے۔''
(صحيح مسلم' الزكاة' باب قبول الصدقة من الكسب الطيب' ح : ۱۰۱۴)

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بہترین کمائی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ داود علیہ السلام خود کما کر کھایا کرتے تھے۔'' (صحيح البخاري، البيوع' باب كسب الرجل و عمله بيده' رقم : ۲۰۷۲)

آپ نے فرمایا: ''مظلوم اور مسافر کی دعا اور والد کی بیٹے کے حق میں دعا ضرور سنی جاتی ہے بشرطیکہ ان میں سے کوئی حرام نہ کھاتا ہو۔'' (سنن ابی داود' الوتر' باب الدعاء بظهر الغيب' ح :۱۵۳۶)

اس ساری تفصیل سے رزق حلال کی اہمیت اور حرام کی مذمت خوب واضح ہوتی ہے۔ اللہ کریم ہمیں حلال کمانے اور کھانے کی توفیق دے اور حرام سے محفوظ رکھے۔ آمین

۱۱۔ اجتناب شبہات

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، ـ سِبْط رَسُولِ اللهِ ﷺ وَرَيْحَانَتِهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا ـ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ: «دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ» (رواه النسائي والترمذي، وقال حسن صحيح)

رسول اللہ ﷺ کے نواسے اور آپ کی خوشبو ابو محمد سیدنا حسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما سے روایت ہے' فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان حفظ کر رکھا ہے "جو بات تمہیں شک میں مبتلا کرے اسے ترک کر دو اور جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو اسے اختیار کرو۔"

تخريج: جامع الترمذي، صفة القيامة، باب حديث اعقلها وتوكل، ح:٢٥١٨ وقال:حسن صحيح وسنن النسائي، الأشربة، باب الحث على ترك الشبهات، ح:٥٧١٤.

شرح الالفاظ: [سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰهِ] رسول اللہ ﷺ کے نواسے یعنی آپ کی صاحبزادی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کے صاحبزادے [رَيْحَانَتِهِ] آپ کی خوشبو۔ کیونکہ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوتے اور ان کی طرف متوجہ ہوا کرتے تھے اس لیے راوی نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو آپ کی خوشبو قرار دیا۔ اس تشبیہ کا احادیث میں ذکر آیا ہے۔ [دَعْ مَا يَرِيْبُكَ] یعنی جو بات شبہ والی ہو اور اس کی وجہ سے تجھے شک گزرے تو اسے ترک کر دو یہ امر استحباب کے لئے ہے۔ [إِلٰى مَا لاَ يَرِيْبُكَ] اس چیز کو اختیار کر جس کے بارے میں

تجھے شک نہ ہو۔ اس سے وہ امور مراد ہیں جن کی حلت خوب واضح ہو۔ قبل ازیں حدیث نمبر۶ میں گزر چکا ہے کہ: [مَنِ اتَّقَی الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِیْنِهِ وَ عِرْضِهِ] جس نے شبہات یعنی مشتبہ امور سے احتیاط کی اس نے اپنے دین اور عزت کو محفوظ کر لیا۔

تشریح : قبل ازیں حدیث ٦ میں بیان ہو چکا ہے کہ دین میں حلال و حرام کا حکم بالکل واضح ہے۔ البتہ بعض امور مشتبہات کی قسم سے ہیں جن سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔ ان شبہات سے بچ کر رہنا چاہیئے جو شخص ان سے نہ بچے وہ کسی وقت حد سے تجاوز کر کے حرام کا مرتکب بھی ہو سکتا ہے۔ ایسے شخص کو آنحضرت ﷺ نے اس چرواہے سے تشبیہ دی ہے جو اپنے مویشی سرکاری چراگاہ کے قریب چراتا ہے ممکن ہے کہ کوئی جانور سرکاری چراگاہ میں داخل ہو جائے۔ لہٰذا مشکوک' مشتبہ اور غیر واضح امور سے بچ کر رہنا چاہیئے۔

ایک حدیث میں ہے:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلْقِ وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، ح: ٢٥٥٣)

"نیکی حسن اخلاق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو بات تمہارے دل میں کھٹکے۔"

حضرت وابصہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' وہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا: "وابصہ! تو پوچھنے آیا ہے کہ نیکی کیا ہے اور گناہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا' جی ہاں۔ تو آپ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔

«اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ»

"اپنے دل سے پوچھ"

آپ نے یہ بات تین مرتبہ دہرائی۔ پھر فرمایا "نیکی وہ ہے جس سے دل مطمئن ہو اور سکون نصیب ہو۔ اور جس بات سے دل میں خلش پیدا ہو وہ گناہ ہے۔ خواہ لوگ اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔"

مطلب یہ ہے کہ جس کام سے دل مطمئن نہ ہو اس سے اجتناب ہی بہتر ہے۔ تقویٰ اور پرہیزگاری اسی چیز کا نام ہے۔

۱۲۔ مسلمانوں کا غیر متعلق امور سے اجتناب و احتراز

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ»(حديث حسن رواه الترمذي وغيره هكذا)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”انسان کے حسن اسلام میں سے یہ بھی ہے کہ وہ ان کاموں کو ترک کردے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔“

تخریج: جامع الترمذي، الزهد، باب ۱۱، ح:۲۳۱۷ وسنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان في الفتنة، ح:۳۹۷٦.

شرح الالفاظ: [مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ] انسان کے حسن اسلام میں سے۔ یعنی اس کے اسلام کے مکمل اور درست ہونے کی علامتوں میں سے۔ [تَرْكُهُ مَا لَا يَعْنِيهِ] جن سے آدمی کو سروکار نہ ہو ان کاموں کو ترک کر دینا۔

تشریح: اس حدیث میں رسول اکرم ﷺ نے انسان کے اسلام کی خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ ایسے کام ترک کر دے جن سے آدمی کو سروکار نہ ہو یعنی وہ ہر اس کام اور ہر اس چیز سے بے غرض اور لاتعلق رہے جو بے مقصد ہو اور جس سے دنیوی مفاد وابستہ ہو نہ آخرت میں فلاح و کامیابی کی توقع ہو۔ لہٰذا مسلمان کو اس قسم کے بے کار اور بے فائدہ امور سے کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیے۔ آخرت میں کامیاب ہونے والے اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ ۝١ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ ۝٢ وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ ۝٣﴾ (المؤمنون۲۳/ ۱۔۳)

"بے شک وہ اہل ایمان فلاح پا گئے جو اپنی نمازوں میں خشوع پیدا کرتے ہیں اور لغو کاموں سے اعراض کرتے ہیں۔"

لہٰذا ایک مسلمان مومن کو چاہیئے کہ وہ بے کار' فضول' بے مقصد اور بے ہودہ باتوں اور بے ہودہ کاموں سے یکسر بے تعلق ہو کر مفید اور بامقصد چیزوں سے تعلق رکھے اور غیر متعلقہ امور سے کنارہ کش رہے۔

یہ حدیث اپنے دامن میں بڑی وسعت اور جامعیت رکھتی ہے اس میں بے کار اقوال و افعال' لغو گفتگو' بے مقصد مطالعہ' بے کار کھیلیں تاش' شطرنج' پتنگ بازی' کرکٹ اور تمام ایسی مصروفیات و مشاغل آ جاتے ہیں جن سے دینی فائدہ ہوتا ہے نہ دنیوی۔ بلکہ ایسی محافل میں بیٹھ کر بعض اوقات انسان لاشعوری طور پر کوئی ایسی بات کہہ جاتا یا کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جس کا اسے احساس تک نہیں ہوتا مگر وہ اس کی ہلاکت اور تباہی کا سبب بن سکتا ہے۔

«عَنْ بِلَالِ بْنِ الْحَارِثِ الْمُزَنِيِّ يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: إِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ لَهُ بِهَا رِضْوَانَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ وَإِنَّ أَحَدَكُمْ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ مَا يَظُنُّ أَنْ تَبْلُغَ مَا بَلَغَتْ فَيَكْتُبُ اللهُ عَلَيْهِ بِهَا سَخَطَهُ إِلَى يَوْمِ يَلْقَاهُ»(جامع الترمذي، الزهد، باب١١، ح:٢٣١٩)

بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: "تم میں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کی رضا والی کوئی ایسی بات کہہ جاتا ہے' اور اسے اس کی عظمت کا احساس تک نہیں ہوتا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ قیامت تک اس پر راضی ہو جاتا ہے۔ اسی طرح کوئی آدمی اللہ تعالیٰ کی ناراضی والی کوئی بات کہہ جاتا ہے اور اسے اس کی سنگینی کا احساس تک نہیں ہوتا مگر اس ایک بات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس پر قیامت تک ناراض ہو جاتا ہے۔"

اس لئے انسان کو بات وغیرہ کرتے ہوئے ازحد محتاط رہنے کی ضرورت ہے کہیں

لاپروائی اور غفلت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا نشانہ نہ بن جائے۔ فحش کلامی اور کثرتِ کلامی وغیرہ بھی کوئی اچھا کام نہیں۔

«عَنْ أَبِي أُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: الْحَيَاءُ وَالْعِيُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الإِيمَانِ، وَالْبَذَاءُ وَالْبَيَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ» (جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في العي، ح: ٢٠٢٧)

ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "حیا اور عِیی (قلت کلام) ایمان کے دو شعبے ہیں۔ فحش گوئی اور کثرتِ کلام نفاق کے دو شعبے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں کہ "عیی" کا مفہوم کم گوئی اور قلت کلام ہے "بذاء" فحش گوئی کو کہتے ہیں۔ اور "بیان" سے مراد کثرتِ کلام ہے۔ جیسا کہ آج کل کے خطباء' خطبوں میں طویل باتیں کرتے اور لوگوں کی بے جا مدح کرتے ہیں۔ جس سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں بلکہ ناراض ہوتا ہے۔

ایک انسان خصوصاً مسلمان کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امانت ہے۔ انسان اپنی زندگی کے ایک ایک لمحہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں جواب دہ ہو گا۔ یہ زندگی اور اس کا کوئی لمحہ اس قدر ارزاں اور بے وقعت نہیں کہ اسے لایعنی مشاغل میں ضائع کر دیا جائے انسان کا کوئی لمحہ بے کار نہیں جانا چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اپنے اوقات عزیز کو فلم بینی' تھیٹر' رقص و سرود کی محافل' پتنگ بازی' شطرنج' تاش' کرکٹ وغیرہ جیسے مشاغل کی نذر کرنا دینِ اسلام کے منافی ہے۔ کوئی شخص جہاں دیگر اخلاقِ حسنہ اور عمدہ امور اختیار کرنے کی وجہ سے بلند مرتبہ حاصل کرتا ہے ان میں بے ہودہ امور سے بچنے کو بھی خاص اہمیت حاصل ہے۔ لقمان حکیم سے کسی نے دریافت کیا کہ آپ کو اس قدر فضیلت اور بلند مرتبہ کن باتوں کی وجہ سے حاصل ہوا تو انہوں نے فرمایا:

«صِدْقُ الْحَدِيثِ وَأَدَاءُ الأَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لاَ يَعْنِينِي» (موطأ الإمام مالك، الجامع، باب ما جاء في الصدق والكذب: ٢/ ٢٨٣)

"سچ بولنے' امانت ادا کرنے اور غیر متعلقہ امور کے ترک کرنے کی وجہ سے۔"

اس لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے اوقات کی قدر کرے اور ہر بے ہودہ' فضول' بے کار اور بے مقصد امر سے بچنے کی پوری کوشش کرے۔ اسی سے انسان کا اسلام مزین اور خوبصورت ہوتا ہے۔

۱۳۔ اسلامی اخوت' تکمیل ایمان

عَنْ أَبِي حَمْزَةَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ خَادِمِ رَسُولِ اللهِ ﷺ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «**لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ**»(رواه البخاري ومسلم)

رسول اللہ ﷺ کے خادم ابو حمزہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں' آپ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مکمل ایمان دار نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے (مسلمان) بھائی کے لیے وہی نہ پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔"

تخريج: صحيح البخاري، الإيمان، باب من الإيمان أن يحب لأخيه ما يحب لنفسه، ح:١٣ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الدليل على أن من خصال الإيمان أن يحب لأخيه المسلم ما يحب لنفسه من الخير، ح:٤٥.

شرح الالفاظ: [خَادِمِ رَسُوْلِ اللّٰهِ] رسول اللہ ﷺ کے خادم۔ آنحضرت ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تب حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس برس تھی ان کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے انہیں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے کہا: آپ اسے اپنی خدمت کیلئے قبول فرمالیں۔ چنانچہ آپ نے انہیں قبول فرمالیا۔ انہوں نے نبی ﷺ کی اس قدر خدمت کی کہ جب آپ دنیا سے رخصت ہوئے تو ان سے راضی اور خوش تھے۔ [لَا يُؤْمِنُ] مکمل ایماندار نہیں ہو سکتا [لِاَخِيْهِ] اپنے مسلمان بھائی کیلئے [مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ] جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

تشریح : قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: [إِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ إِخْوَةٌ] تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو کلمہ کی بنیاد پر آپس میں بھائی قرار دیا ہے۔ لہٰذا ایمان کا ایک بنیادی تقاضا ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کے لیے انتہائی مخلص ہو اور اس کے حق میں ہمدردانہ جذبات رکھے۔ اگر کسی میں یہ وصف مفقود ہو تو اس کا ایمان نامکمل اور ناقص ہے۔

پیش نظر حدیث میں آنحضرت ﷺ نے یہی چیز بیان فرمائی ہے کہ تم میں سے کسی کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے مختلف احادیث میں امت کو اسی بات کی طرف توجہ دلائی ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو خصوصی ہدایات دیتے ہوئے منجملہ باقی باتوں کے ایک بات یہ بھی ارشاد فرمائی:

«وَأَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُّسْلِمًا»(جامع الترمذي، الزهد، باب من اتقى المحارم فهو أعبد الناس، ح: ٢٣٠٥)

”تم جو کچھ اپنے لئے پسند کرتے ہو دوسروں کے لئے بھی وہی پسند کرو تو مسلمان ہو گے۔“

رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا:

”جو پسند کرتا ہے کہ اسے جہنم سے چھٹکارا مل جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو پھر اسے اس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر مکمل ایمان رکھتا ہو اور لوگوں کے ساتھ وہی سلوک روا رکھے جو خود اپنے لیے پسند کرتا ہے۔“

(صحیح مسلم' الامارة' باب وجوب الوفاء ببيعة الخليفة' ح: ۱۸۴۴)

اسی طرح آنحضرت ﷺ نے یزید بن اسد سے فرمایا:

«أَ تُحِبُّ الْجَنَّةَ؟»

”کیا تمہیں جنت پسند ہے؟“

انہوں نے کہا' جی ہاں! تو آپ نے فرمایا:

«فَأَحِبَّ لأَخِيكَ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ»(مسند أحمد: ٤/ ٧٠)

”جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو اپنے بھائی کے لئے بھی وہی پسند کرو۔“

خود نبی کریم ﷺ کا اسوۂ حسنہ بھی یہی تھا کہ آپ اپنے لئے جو پسند فرماتے دوسروں کے لئے بھی وہی پسند فرماتے تھے۔

صحیح مسلم' الامارة' حدیث : ۱۸۲۶ میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا:

”ابوذر! میں تمہیں کمزور پاتا ہوں اور جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں۔ تم کبھی دو آدمیوں پر امیر بننا نہ کبھی کسی یتیم کے مال کی نگرانی قبول کرنا۔“

یہ حدیث اسلام کے نہایت اعلیٰ اصولوں میں سے ہے۔ اس پر عمل کیا جائے تو معاشرے سے ہر برائی ختم ہو سکتی ہے۔ آج کے معاشرہ میں افراتفری اور ابتری کے اسباب میں سے بڑا سبب یہ بھی ہے کہ آج ہر شخص اپنے حقوق کا تو مطالبہ کرتا ہے لیکن دوسروں کو ان کے حقوق دینے کے لیے تیار نہیں۔

جو شخص چاہتا ہو کہ لوگ میری عزت کریں اسے چاہیئے کہ وہ بھی دوسروں کی عزت کرے۔ اگر یہ دوسروں کی عزت و توقیر کرے گا تو یقیناً دوسرے بھی اس کا احترام کریں گے۔ اس طرح جو شخص چاہتا ہے کہ لوگ میری تعریف کریں اسے بھی چاہیئے کہ وہ دوسروں کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کرتا رہے۔

خود پورا لینے کا مطالبہ اور دوسروں کو کم دینا اسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے جس اسلامی معاشرہ کی بنیاد رکھی جب انہیں یہ اصول سمجھایا تو معاشرہ میں ہر طرف امن ہی امن ہو گیا اور مسلمان اس حد تک ایک دوسرے کا خیال رکھنے لگے کہ جب ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے مابین سلسلہ مؤاخات قائم کیا گیا تو انصار نے مہاجرین کو اپنی جائیداد اور مکانات وغیرہ میں شریک کر لیا۔

تاریخ اسلام کا مطالعہ کریں تو ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ امت کے اسلاف دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دیتے اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو پورا کرنے کی خاطر اپنی ضرورت و خواہش کو قربان کر دیتے۔

جنگ یرموک کا واقعہ ہے کہ ایک شخص پانی لے کر میدانِ جنگ میں پہنچا۔ اس نے اپنے چچا زاد بھائی کو زخمی حالت میں دیکھا تو اسے پانی پلانے کے لئے آگے بڑھا تو دوسری طرف سے "العطش" (پیاس) کی آواز آئی۔ زخمی نے پیاسا ہونے کے باوجود پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ پہلے اسے پلاؤ شاید اسے مجھ سے زیادہ پیاس لگی ہے۔ جب وہ دوسرے کے پاس پہنچا تو ایک اور زخمی نے پانی مانگا تو دوسرے نے بھی اشارہ کیا کہ پہلے اسے پلاؤ۔ وہ تیسرے زخمی کے پاس پہنچا تو اس کی روح پرواز کر چکی تھی۔ وہ دوسرے کے پاس آیا تو وہ بھی جان جانِ آفریں کے سپرد کر چکا تھا۔ وہ دوڑ کر پہلے کے پاس پہنچا تو وہ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو چکا تھا۔ یہ تھا ان کا ایک دوسرے کے لیے ایثار کہ انہوں نے اپنی ضرورت بلکہ اپنی جان تک کی پروا نہ کی اور مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم سمجھا اور سب نے اسی حالت میں موت کو گلے لگالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کا ایک وصف یوں بیان فرمایا ہے:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر۵۹/ ۹)

"وہ اپنی ضرورت کے باوجود دوسروں پر ایثار کرتے اور انکی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔"

آج کے مسلمانوں میں اس جذبے کا فقدان ہے۔ اگر ہم صحیح طور پر مسلمان بن جائیں اور اس ایمانی تقاضے کو پورا کریں تو معاشرے کی اصلاح ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس وصف کے اختیار کرنے کی توفیق سے نوازے۔ (آمین)

۱۴۔ خونِ مسلم کی حرمت اور جواز قتل کی تین صورتیں

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِىءٍ مُّسْلِمٍ، يَشْهَدُ أَنْ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللّٰهُ، وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ، إِلاَّ بِإِحْدٰى ثَلاَثٍ: الثَّيِّبُ الزَّانِي، وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ، وَالتَّارِكُ لِدِينِهِ الْمُفَارِقُ لِلْجَمَاعَةِ»(رواه البخاري ومسلم)

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”(مندرجہ ذیل) تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں‘ جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ① شادی شدہ زانی۔ ② جان کے بدلے جان (قاتل) ③ دین کا تارک‘ جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔“

تخريج: صحيح البخاري، الديات، باب قول الله تعالى: ﴿أَنَّ ٱلنَّفْسَ بِٱلنَّفْسِ ...﴾ ح:٦٨٧٨ وصحيح مسلم، القسامة، باب ما يباح به دم المسلم، ح:١٦٧٦.

شرح الالفاظ: [لَا یَحِلُّ] حلال نہیں‘ جائز نہیں [دَمُ امْرِئٍ] کسی کا خون۔ اس حکم میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہیں۔ [بِإِحْدٰی ثَلَاثٍ] تین میں سے کسی ایک سبب سے‘ پس جو شخص تینوں میں سے کسی ایک کا مرتکب ہو اسے قتل کرنا مسلمان حاکم کے لئے جائز ہے۔ [اَلثَّیِّبُ الزَّانِی] شادی شدہ شخص جو زنا کا ارتکاب کرے‘ اسی طرح اگر شادی شدہ عورت زنا کا ارتکاب کرے تو اسے بھی رجم کیا جائے گا۔ [وَالنَّفْسُ بِالنَّفْسِ] جان کے بدلے جان‘ یعنی قاتل کو (مقتول کے بدلے میں) قتل کر دیا جائے گا بشرطیکہ اس نے یہ قتل عمداً کیا ہو اور ایسی چیز سے کیا ہو جو عموماً مار ڈالے مثلاً چاقو‘ چھری‘ پستول وغیرہ اور وہ ایسی چیز نہ ہو جو عموماً قتل نہیں کرتی مثلاً لاٹھی وغیرہ [اَلتَّارِكُ لِدِیْنِهٖ] دین کا تارک یعنی مرتد۔
رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جو شخص اپنا دین بدل لے اسے قتل کر ڈالو!“ (صحيح البخاري، استتابة المرتدين .....‘ باب حكم المرتد والمرتدة و استتابتهم‘ حديث:٦٩٢٢)
یہاں دین سے ”اسلام“ مراد ہے۔ مسلمانوں کی جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔

تشریح: اگر کوئی شخص کلمہ پڑھ لینے کے بعد مسلمان ہو جائے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو جائے تو اب وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی امان و پناہ میں آجاتا ہے۔ اس کا مال اور خون باقی مسلمانوں پر حرام ہو جاتا ہے۔ اسے قتل کرنا یا اس کا خون بہانا جائز نہیں۔ ہاں! البتہ اگر وہ حد سے تجاوز کرے تو اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ کی رو سے بطور سزا اسے قتل کرنا اور مار ڈالنا جائز ہے۔

اس حدیث میں ان تین صورتوں کا ذکر ہے جن میں کسی مسلمان کا قتل جائز ہے۔

① **الثیب الزانی** یعنی شادی شدہ آدمی زنا کا مرتکب ہو' زنا ایک بے حیائی اور کبیرہ گناہ ہے اسلام میں اس سے بڑی سختی سے روکا گیا ہے۔ اور اس کی بڑی سخت سزا تجویز کی گئی ہے تاکہ اس برائی کا خاتمہ ہو سکے زنا کرنے والا مرد یا عورت غیر شادی شدہ ہو تو اس کی سزا سو کوڑے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ ٱلزَّانِيَةُ وَٱلزَّانِي فَٱجْلِدُوا۟ كُلَّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا مِا۟ئَةَ جَلْدَةٍ ﴾ (النور٢٤/ ٢)

"زنا کرنے والے مرد و عورت ہر ایک کو سو کوڑے مارو۔"

جمہور امت کے نزدیک یہ سزا غیر شادی شدہ کے لئے ہے۔ زنا کرنے والا شادی شدہ ہو تو اس کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے۔ اس کا حکم بھی قرآن مجید میں تھا لیکن اس آیت کی تلاوت منسوخ اور حکم باقی ہے کیونکہ عہد رسالت میں اس پر عمل ہو چکا ہے۔ جمہور امت رجم کے قائل ہیں البتہ منکرین حدیث رجم کا انکار کرتے ہیں اور اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ایک حدیث کے الفاظ یوں ہیں۔

«لاَ يَحِلُّ دَمُ امْرِیءٍ مُّسْلِمٍ إِلاَّ بِإِحْدٰى ثَلاَثٍ: رَجُلٌ زَنٰى بَعْدَ إِحْصَانِهِ»(سنن النسائي، تحريم الدم، الحكم في المرتد، ح: ٤٠٦٢)

"جن تین صورتوں میں قتل کی اجازت ہے ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کوئی شخص شادی شدہ ہونے کے باوجود زنا کرے۔"

② **قصاص** یعنی جان کے بدلے جان۔ جب کوئی شخص کسی کو عمداً قتل کر دے تو مقتول کے بدلے میں قاتل کو قتل کر دیا جائے۔ اگر مقتول کافر ہو تو مسلمان کو کافر کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ اسی طرح غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔ انسانی جان بیش قیمت چیز ہے جو شخص کسی کی جان بلا جواز ضائع کرے اسے معاف نہیں کیا جا سکتا' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ حَيَوٰةٌ ﴾ (البقرة٢/ ١٧٩)

"اور تمہارے لئے قصاص میں زندگی کا سامان ہے۔"

یعنی اس اصول سے زندگی کی ضد کا پتہ چلتا ہے جب کسی کو یہ علم ہو کہ کسی کو قتل

کرنے کے بعد وہ بھی زندہ نہیں رہے گا تو وہ اس فعل شنیع کے ارتکاب کی جرأت نہیں کرے گا۔ مقتول کے ورثاء از خود قصاص لینے کا حق نہیں رکھتے بلکہ یہ ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ قانونِ قصاص کو نافذ کرے اور اسے عملی جامہ پہنائے۔

مقتول کے ورثاء کو اجازت دی گئی ہے کہ اگر وہ چاہیں تو قاتل کو معاف بھی کر سکتے ہیں اور اگر چاہیں تو خون بہا بھی لے سکتے ہیں۔ تاہم انہیں ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کا اختیار دیا جائے گا کسی متعین صورت پر انہیں مجبور کرنے کی اجازت نہیں۔

③ ارتداد اس حدیث میں کسی مسلمان کو قتل کرنے کے جواز کی تیسری صورت ارتداد بیان ہوئی ہے۔ حدیث میں ((التَّارِک لِدِيْنِه)) کے الفاظ ہیں یعنی جو شخص دینِ اسلام سے منحرف ہو جائے وہ بھی واجب القتل ہے۔

احادیث میں وضاحت آئی ہے کہ پہلے تو مرتد کو سمجھایا جائے اور توبہ کے لئے آمادہ کیا جائے اگر توبہ کر لے تو بہتر ورنہ وہ واجب القتل ہے۔ یہ سزا اس لئے رکھی گئی ہے کہ اس کے ارتداد سے دین اسلام کی تحقیر اور بدنامی ہو گی اور ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اس کا برا اثر بھی پڑ سکتا ہے۔ دنیا کے ہر قانون میں بغاوت کی سزا موت ہے چونکہ ارتداد کرنے والا بھی اللہ اور اس کے رسول کا باغی ہے لہٰذا وہ واجب القتل ہے یہ سزا [لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ] کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس آیت کا مفہوم تو یہ ہے کہ کسی کو دین اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہر شخص کا اختیار ہے کہ وہ اسلام قبول کرے یا نہ کرے۔ لیکن قبول اسلام کے بعد ارتداد ناقابلِ معافی جرم ہے۔ جواز قتل کی ان تین صورتوں میں حصر نہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی بعض صورتوں میں قتل کرنے کی شرعاً اجازت ہے مثلاً جادوگر وغیرہ۔

۱۵۔ اسلامی آدابِ معاشرت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: «مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، فَلْيُكْرِمْ

جَارَهُ، وَمَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ»(رواه البخاري ومسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اچھی بات کہے یا پھر خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کو اور یوم آخرت کو مانتا ہے وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔“

تخریج: صحيح البخاري، الأدب، باب من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فلا يؤذ جاره، ح:٦٠١٨ وصحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار والضيف ولزوم الصمت إلا عن الخير . . . ، ح:٤٧ .

شرح الالفاظ: [مَنْ كَانَ يُؤمِنُ بِاللّٰهِ] ”جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہو“ یعنی جس کا اللہ تعالیٰ پر مکمل ایمان ہو۔ [وَالْيَوْمِ الاٰخِرِ] قیامت کا دن۔ کیونکہ وہ دن تمام دنوں میں سے آخری دن ہو گا اسی لئے اسے آخری دن کہا جاتا ہے۔ [اَوْلِيَصْمُتْ] خاموش رہے۔ [فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ] ”اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔“ اس کے ساتھ احسان کرے۔ اس کی تکلیف کو رفع کرے اور اس کی باتوں کو برداشت کرے۔ [فَلْيُكْرِمْ ضَيْفَهُ] اپنے مہمان کی عزت کرے خوش روئی کے ساتھ پیش آئے، اچھی باتیں کرے، بغیر تکلف اور گھر والوں کو مشقت میں ڈالے بغیر کھانا پیش کرے مہمان خواہ غریب ہو یا امیر۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب معاشرت میں سے تین اہم باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔

قول خیر یا خاموشی

آپ نے پہلی بات یہ فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموش رہے۔

انسان کی زبان جو بظاہر ایک چھوٹا سا عضو ہے۔ اس کا استعمال صحیح ہو تو انسان کو دنیا و آخرت کی سعادت مل جاتی ہے اور اگر اس کا استعمال صحیح نہ ہو تو یہ انسان کے لئے تباہی کا

سبب بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کچھ فرشتے ہر انسان کے ساتھ متعین و مقرر ہیں جو اس کے منہ سے نکلنے والی ہر بات کو تحریر کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے

﴿ مَا يَلْفِظُ مِن قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ﴿١٨﴾ ﴾ (ق ۵۰/۱۸)

"انسان جو کچھ بولتا ہے اس کے لکھنے کے لیے ایک نگران تیار رہتا ہے۔"

﴿ وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ ﴿١٠﴾ كِرَامًا كَاتِبِينَ ﴿١١﴾ ﴾ (الانفطار ۸۲/ ۱۰۔۱۱)

"تمہارے اوپر معزز فرشتے مقرر ہیں جو تمہارے اقوال و اعمال تحریر کرتے ہیں۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑ کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: "معاذ! اسے قابو میں رکھنا۔" انہوں نے پوچھا' کیا ہم جو کچھ بولتے ہیں' اس کا بھی مؤاخذہ اور محاسبہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا: "بہت سے لوگوں کو منہ کے بل جہنم میں لے جانے والا عمل ان کی زبانوں کی کٹائی یعنی گفتگو ہو گی۔ (جامع الترمذی' الایمان' باب ماجاء فی حرمة الصلوٰة' ح:۲۶۱۶)

اس لیے زبان کی خوب حفاظت کرنی چاہیئے۔ انسان جب بھی بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموشی بہتر ہے۔ کیونکہ جو زیادہ باتیں کرے گا اس کی غلطیاں اور گناہ بھی زیادہ ہی ہوں گے۔ اس لئے آپ نے ایک موقع پر فرمایا:

«مَنْ صَمَتَ نَجَا»(جامع الترمذي، صفة القيامة، باب: ٥٠، ح: ٢٥٠١)

"جو خاموش رہا نجات پا گیا۔"

بعض اوقات انسان کو اپنی کی ہوئی بات کا احساس نہیں ہوتا لیکن وہ اسے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں جا ڈالتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"ایک شخص بات کرتا ہے اسے اپنی بات کی سنگینی کا احساس نہیں ہوتا اور وہ اسی بات کی وجہ سے مشرق و مغرب کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ جہنم کی گہرائی میں جا گرتا ہے۔"

ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ»

(صحيح البخاري، الرقاق، باب حفظ اللسان، ح: ٦٤٧٤)

"جو شخص مجھے اپنے دو جبڑوں کے درمیان والے عضو (زبان) اور اپنی دو ٹانگوں کے درمیان واقع عضو (شرمگاہ) کی ضمانت دے میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔"

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی چیز لوگوں کو جنت میں لے جائے گی؟ آپ نے فرمایا: "وہ دو چیزیں ہیں' خوفِ الٰہی اور حسن اخلاق۔" پھر آپ سے پوچھا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز لوگوں کو جہنم میں لے جائے گی۔ تو فرمایا: "وہ دو چیزیں ہیں' زبان اور شرمگاہ۔" (جامع الترمذی' البروالصلة' حدیث :۲۰۰۴ و سنن ابن ماجه' الزهد' باب ذکر الذنوب' حدیث :۴۲۴۶)

ان کے علاوہ بھی بہت سی احادیث میں زبان کی حفاظت پر زور دیا گیا ہے۔ اسی لئے اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَصْمُتْ»

"جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ بات کرے تو اچھی کرے ورنہ خاموش رہے۔"

اکرام الجار "پڑوسی کی عزت و تکریم۔" پڑوسی کے بھی انسان کے ذمہ بہت سے حقوق ہیں۔ مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے ہمسائیوں کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور انہیں کسی قسم کی ایذا یا تکلیف نہ دے۔ ہمسایہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار' قرآن کریم میں دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے بلکہ اگر ہمسایہ غیر مسلم اور کافر بھی ہو تو وہ بھی ہمسائیگی کی بنا پر حسنِ سلوک اور تعاون کا حقدار ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جبریل امین مجھے ہمسائے کے بارے میں اس قدر تاکید کرتے رہے کہ مجھے خیال ہوا کہ شاید ہمسائے کو وراثت کا بھی حقدار قرار دے دیا جائے گا۔" (جامع الترمذی' البر والصلة' ح :۱۹۴۲)

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کی قسم! وہ ایمان دار نہیں۔" آپ نے بار بار یہ لفظ ارشاد فرمایا۔ پوچھا گیا' اے اللہ کے رسول! کون ایمان دار نہیں؟ آپ نے فرمایا:

«اَلَّذِي لاَ يَأْمَنُ جَارُهُ بَوَائِقَهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره بوائقه، ح: ٦٠١٦)

"جس کی تکلیفوں اور ایذا سے ہمسایہ محفوظ نہ ہو۔"

دوسری حدیث میں آپ نے فرمایا:

"جس کی تکلیفوں اور دکھوں سے ہمسایہ مامون نہ ہو وہ جنت میں نہیں جائے گا۔"

(صحیح مسلم' الایمان' باب بیان تحریم ایذاء الجار' ح:۴۶)

❀ آپ نے فرمایا: "جو شخص اللہ اور رسول پر ایمان رکھتا ہے اسے اپنے ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک رکھنا چاہیئے۔" (صحیح مسلم' الایمان' ح:۴۷)

❀ آپ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ساتھی وہ ہے جو اپنے ساتھیوں کے حق میں اچھا ہو اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہترین ہمسایہ وہ ہے جو اپنے ہمسائیوں کے حق میں اچھا ہو۔" (جامع الترمذی' البر والصلة' باب ما جاء فی حق الجوار' ح:۱۹۴۴)

❀ ایک عورت بڑی عبادت گزار تھی دن کو روزے رکھتی اور رات کو تہجد ادا کرتی مگر پڑوسیوں کے حق میں اچھی نہ تھی وہ انہیں ایذا دیا کرتی تھی۔ آپ نے اس کے متعلق فرمایا "وہ جہنم میں جائے گی۔" (احمد ۴۴۰/۲ ' شعب الایمان :۷۸/۷' مشکوٰة' الآداب' باب الشفقة والرحمة علی الخلق' الفصل الثالث)

❀ بعض سلف سے منقول ہے کہ ہمسائیگی کا دائرہ چالیس گھروں تک ہے۔ (جیسا کہ بعض ضعیف روایات میں ہے) مزید دیکھئے' جامع العلوم والحکم لابن رجب' ح:۱۵)

ایک دفعہ آپ نے کبائر کا ذکر کرتے ہوئے سب سے پہلے شرک' اس کے بعد روزی کے خوف سے اولاد کو قتل کرنا اور اس کے بعد ہمسایہ کی بیوی سے زنا کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ زنا جس سے بھی کیا جائے' گناہ ہے لیکن ہمسائے کی بیوی سے زنا کی شناعت مزید بڑھ جاتی ہے۔ اسی طرح آپ نے فرمایا: "جب سالن پکاؤ تو پانی ڈال کر شوربا بڑھا لیا کرو اور ہمسائیوں کے گھر بھی بھیجو۔" (صحیح مسلم' البروالصلة' باب الوصیة بالجار والاحسان إلیه' حدیث:۲۶۲۵)

چونکہ مسلمان کے ذمہ ہمسائیوں کے بہت سے حقوق ہیں' اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا:

«مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ فَلْيُكْرِمْ جَارَهُ»(صحيح مسلم، الإيمان، باب الحث على إكرام الجار. . .، ح:٤٧)

"جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ اپنے ہمسائے کا احترام کرے۔"

اکرام الضیف

"مہمان کا اکرام اور عزت افزائی" آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں آداب و احکام معاشرت میں سے تیسری اہم بات یہ بیان فرمائی کہ جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیئے کہ مہمانوں کا اکرام کرے ان کی ممکن حد تک خاطر و مدارات کرے۔

مہمانوں کی عزت و تکریم بھی اخلاق حسنہ میں سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کبھی اکیلے کھانا نہیں کھاتے تھے کوئی مہمان آجاتا تو بہتر ورنہ کسی کو بلا کر لے آتے اور اکٹھے کھانا تناول فرماتے۔

مہمان کے آنے پر ناگواری محسوس کرنا اسلام اور اخلاق کے منافی ہے۔ ہر کوئی اپنی قسمت کھاتا ہے۔ اس لیے مہمان کی آمد پر تنگ دل ہونے کی بجائے خوش اور مسرور ہونا چاہیئے اور حتیٰ المقدور اس کی خوب خدمت کرنی چاہیئے حتی کہ اگر کسی نے ہمارے ساتھ بطورِ میزبان اچھا سلوک نہ کیا ہو' اگر کسی وقت وہ بھی مہمان بن کر آئے تو اس کی خاطر و مدارات میں بھی کمی نہیں کرنی چاہیئے۔

آنحضرت ﷺ سے کسی شخص نے پوچھا کہ اگر میں کسی کے ہاں مہمان ٹھہروں اور وہ میرے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے' بعد میں کسی وقت وہ میرا مہمان بنے تو میں کیا کروں' اس سے بدلہ لوں یا مہمان نوازی کروں؟ آپ نے فرمایا: "جس کا اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر ایمان ہے وہ اپنے مہمان کی تکریم بجا لائے۔" عرض کیا گیا' حضور کب تک؟ آپ نے فرمایا: "پر تکلف کھانا ایک دن رات اور ضیافت صرف تین دن تک ہے' اس کے

بعد کی خدمت اور تواضع صدقہ ہے چلتے وقت بھی اس کو اتنا خرچ دینا چاہیئے کہ ایک منزل تک کافی ہو جائے اس کو "جائزۃ" کہتے ہیں۔" (دیکھئے: نهاية في غريب الحديث '۱/۳۱۴۔ صحيح مسلم' اللقطة' باب الضيافة و نحوها' حديث :۴۸)

چونکہ مہمان کا میزبان کے ذمہ حق ہوتا ہے اس لئے آنحضرت ﷺ نے ان احادیث میں میزبان کو مہمان کے اکرام' خاطرمدارات اور خدمت کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ لیکن جہاں میزبان ان احکام کا پابند اور مکلف ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مہمان بننے کے بھی کچھ آداب ہیں۔ جب کوئی شخص مہمان ٹھہرے تو اسے اپنے میزبان کے لیے بلائے ناگہانی نہیں بن جانا چاہیئے اور ایسا انداز بھی اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے میزبان کو تکلیف' بوجھ یا شرمندگی ہو۔

بالعموم ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق مہمان کی خدمت بجا لاتا ہے اور اس میں کمی نہیں چھوڑتا لیکن کئی مہمان کسی ایسی چیز کامطالبہ کر دیتے ہیں جس کا مہیا کرنا میزبان کے لیے ممکن یا اس کے بس میں نہیں ہوتا۔ نیز میزبان کے ہاں مہمان کو بلاوجہ طویل عرصہ تک قیام بھی نہیں کرنا چاہیئے۔ ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "مہمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی کے ہاں طویل قیام کر کے میزبان کو گناہ گار کرے۔" (صحيح مسلم' اللقطة' باب الضيافة و نحوها' حديث :۴۸ قبل :۱۷۲۷)

مہمان کو چاہیئے کہ وہ ایک ایسا مہمان ثابت ہو کہ میزبان اس کی دوبارہ آمد پر بھی اسے اپنا مہمان بنانے میں فرحت محسوس کرے۔ ایک دفعہ ایک آدمی نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی تنگدستی اور بھوک کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنے گھروں میں باری باری پیغام بھیج کر کھانے کی کوئی چیز منگوائی مگر آپ کے کسی بھی گھر سے کھانا نہ مل سکا بلکہ جواب آیا کہ آج تو گھر میں سوائے پانی کے کچھ بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرے جو آج رات اس کی میزبانی کرے۔ ابوطلحہ اسے اپنے گھر لے گئے۔ بیوی سے کہا کھانے کو کچھ ہے؟ اس نے بتایا کہ بچوں کے لیے معمولی سا کھانا ہے فرمایا' انہیں بہلا پھسلا کر سلا دو۔ جب مہمان آئے تو کسی بہانے چراغ بجھا دینا اور ہم یوں محسوس کرائیں گے کہ

گویا ہم بھی کھا رہے ہیں۔ ہم کھانا نہیں کھائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ کے رسول کا مہمان پیٹ بھر کر کھانا کھائے۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صبح ہوئی تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تمہارے اس طرز عمل پر اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوا ہے۔ اسی واقعہ کے موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ ﴾ (الحشر٩/٥٩، صحيح مسلم، الأشربة، باب إكرام الضيف وفضل إيثاره، ح: ٢٠٥٤)

”وہ اپنی ضروریات کے باوجود دوسروں پر ایثار کرتے ہیں اور ان کی ضرورت کو ترجیح دیتے ہیں۔“

١٦۔ غصہ سے ممانعت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَجُلاً قَالَ لِلنَّبِيِّ ﷺ: أَوْصِنِي، قَالَ: «لاَ تَغْضَبْ» فَرَدَّدَ مِرَاراً، قَالَ: «لاَ تَغْضَبْ»(رواه البخاري)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا: آپ مجھے وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: ”غصہ نہ کیا کرو“ اس نے بار بار اپنا سوال دہرایا تو آپ نے بھی ہر بار یہی جواب دیا کہ غصہ نہ کیا کرو۔“

تخريج: صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح: ٦١١٦.

تشریح: اسلام چونکہ دین فطرت ہے اس میں انسانی طبائع اور امزجہ (مزاج) کو مدنظر رکھ کر احکامات اور ہدایات دی گئی ہیں۔ غصہ آ جانا انسانی فطرت ہے۔ بالعموم غصے کے کچھ اسباب یا وجوہات بھی ہوتی ہیں اور بعض لوگوں کو بلاوجہ بھی غصہ آ جاتا ہے۔

غصہ اختلاف و ناراضی کا سبب ہوتا ہے اور بعض اوقات نوبت قتل تک جا پہنچتی ہے۔ اسی لئے دانا کہتے ہیں کہ غصہ حرام ہے۔ انسان کو جب غصہ آ جائے تو اسے ختم کرنے کی

کوشش کرنی چاہیئے۔ یہی اللہ والوں کی صفت ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَٱلْكَـٰظِمِينَ ٱلْغَيْظَ وَٱلْعَافِينَ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٤)

”وہ (اللہ تعالیٰ کے صالح بندے) غصے کو پی جاتے ہیں اور درگزر کرتے ہیں۔“

جب کسی پر غصہ آئے تو درگزر سے کام لینا چاہیئے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ وَإِذَا مَا غَضِبُوا۟ هُمْ يَغْفِرُونَ ﴿٣٧﴾﴾ (الشوری٤٢/ ٣٧)

”اور جب ان (اللہ والوں) کو غصہ آتا ہے تو وہ معاف کر دیتے ہیں۔“

﴿ وَلْيَعْفُوا۟ وَلْيَصْفَحُوٓا۟ ۗ أَلَا تُحِبُّونَ أَن يَغْفِرَ ٱللَّهُ لَكُمْ ۗ﴾ (النور٢٤/ ٢٢)

”انہیں چاہیئے کہ وہ معافی اور درگزر سے کام لیں، کیا تم نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے۔“

غصہ دراصل ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے۔ جس کی وجہ سے انسانی روح انتقام کی خاطر باہر کو حرکت کرتی ہے اس لیے غصہ کی حالت میں چہرہ گرم اور رنگ سرخ ہو جاتا ہے، رگیں پھول جاتی ہیں۔ اسی طرح شدت فرح و انبساط میں بھی انسانی روح باہر کی جانب متحرک ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان دونوں حالتوں میں روح کے بالکل باہر آ جانے کی بنا پر موت کا خطرہ ہوتا ہے۔ غصہ اگر غیرت اسلامی اور تائید حق کے لئے ہو تو وہ ممدوح اور قابل تعریف ہے اور اگر خلاف شرع ہو تو یہ بہرحال مذموم اور ناپسندیدہ ہے۔

غصہ پر قابو پالینا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے غصہ پر قابو پانے والے کی مدح فرمائی ہے۔ آپ نے فرمایا:

«لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرْعَةِ، إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحذر من الغضب، ح: ٦١١٤)

”جواں مرد اور بہادر وہ نہیں جو (دوسروں کو) خوب پچھاڑنے والا ہو بلکہ حقیقی بہادر اور جواں مرد وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھے۔“

آنحضرت ﷺ کی مجلس میں ایک آدمی کو کسی دوسرے پر غصہ آگیا اور غصہ کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا:

«إِنِّي لأَعْلَمُ كَلِمَةً لَوْ قَالَهَا لَذَهَبَ عَنْهُ مَا يَجِدُ»(صحيح البخاري، الأدب، ح: ٦١١٥)

”میں ایک کلمہ جانتا ہوں اگر یہ آدمی وہ کلمہ ادا کرے تو غصہ کافور ہو جائے وہ کلمہ یہ ہے:((أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْم))

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

«إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ، فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلاَّ فَلْيَضْطَجِعْ» (سنن أبي داود، الأدب، باب ما يقال عند الغضب، ح: ٤٧٨٢)

”جب کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے اگر غصہ ختم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ لیٹ جائے۔“

آپ نے فرمایا:

«مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ قَادِرٌ عَلٰى أَنْ يُّنْفِذَهُ دَعَاهُ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَلٰى رُءُوسِ الْخَلاَئِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ حَتّٰى يُخَيِّرَهُ اللّٰهُ مِنَ الْحُورِ مَا شَآءَ» (سنن أَبي داود، الأدب، باب من كظم غيظا، ح: ٤٧٧٧ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب الحلم، ح: ٤١٨٦ والحديث حسن)

”جو شخص بدلہ لینے کی طاقت و قدرت کے باوجود اپنے اوپر ضبط کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے سب کے سامنے بلا کر یہ اختیار دے گا کہ وہ جس حور کو چاہے اپنے لئے پسند کرلے۔“

آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ عفو و درگزر کا بہترین مرقع تھی آپ نے اپنے بدترین اور شدید ترین دشمنوں کو معاف فرما دیا۔ کفار مکہ کے ظلم و ستم سے دنیا واقف ہے جو انہوں نے صحابہ کرام اور خود آنحضرت ﷺ پر روا رکھے۔ مگر جب آپ فاتح کی حیثیت سے مکہ آئے اور وہ لوگ آپ کے سامنے پیش ہوئے تو آپ نے انہیں کوئی بات یاد تک نہ کرائی اور بڑی فراخدلی سے فرمایا:

«لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ أَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ»

آج تم پر کوئی گرفت نہیں، تم سب آزاد ہو۔"

آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ جُرْعَةٍ أَعْظَمُ أَجْرًا عِنْدَ اللهِ مِنْ جُرْعَةِ غَيْظٍ كَظَمَهَا عَبْدٌ ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللهِ» (سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحلم، ح:٤١٨٩)

"انسان جو کچھ پیتا ہے اس میں بہترین گھونٹ غصے کا گھونٹ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر پیئے۔"

خلاصہ یہ کہ شریعت میں غصہ کی بہت زیادہ مذمت اور ممانعت آئی ہے اور غصہ پی جانے اور معاف کرنے کی بڑی تاکید اور فضیلت ہے۔ اسی لئے پیش نظر حدیث میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنے والے نے عرض کیا' مجھے وصیت فرمائیں تو آپ نے یہی فرمایا:

«لاَ تَغْضَبْ»(صحيح البخاري، الأدب، ح:٦١١٦)

"غصہ نہ کیا کر۔"

صحابی نے اپنا سوال اس خیال سے متعدد مرتبہ دہرایا کہ شاید آپ کچھ اور ارشاد فرمائیں گے لیکن آپ نے اسے بار بار یہی وصیت فرمائی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ نازک طبع ہوں اور انہیں غصہ زیادہ آتا ہو اس لئے آپ نے انہیں اسی بات کی وصیت فرما کر اس خامی کی طرف توجہ دلائی ہو۔ (واللہ اعلم)

۱۷۔ ہر کام سلیقے سے اور ہر ایک سے حسن سلوک

عَنْ أَبِي يَعْلَى شَدَّادِ بْنِ أَوْسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ الإِحْسَانَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذِّبْحَةَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ، وَلْيُرِحْ

ذَبِیحَتَهُ»(رواه مسلم)

سیدنا ابو یعلیٰ شداد بن اوس رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا: ”بے شک اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا حکم دیا ہے پس جب تم قتل کرو تو اچھے طریقے سے قتل کرو اور جب ذبح کرو تو بھی اچھے طریقے سے ذبح کرو۔ تمہیں چاہیئے کہ اپنی چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔“

تخریج: صحیح مسلم، الصید والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل، وتحدید الشفرة، ح: ١٩٥٥.

شرح الالفاظ: [كَتَبَ] واجب اور فرض کر دیا [الاحْسَانَ] یہ [أَحْسَنَ] کا مصدر ہے۔ کوئی اچھا کام کرنے کو احسان کہتے ہیں۔ یاد رہے اچھا کام وہی ہے جسے شریعت اچھا قرار دے۔ خلاف شرع رائے کو اچھا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ [القِتْلَةَ] قاف کے نیچے زیر، قتل کرنے کی حالت و کیفیت' قتل کرتے ہوئے احسان (یعنی قتل کرنے کا عمدہ اور بہتر طریقہ) یہ ہے کہ آلہ قتل تیز ہو اور جلدی سے قتل کر دیا جائے اور مقتول کو سزا دینا مقصود نہ ہو۔ [شَفْرَتَهُ] بڑی چھری' چھری کی دھار [وَلْيُرِحْ ذَبِيحَتَهُ] یہ ”اراح“ سے مشتق ہے یعنی ذبیحہ کو راحت پہنچائے۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دائمی اور ابدی اصول بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔

احسان: اس کا معنی نیکی' حسنِ سلوک' نرمی' کسی کام کو سلیقہ اور مہارت سے انجام دینا' کسی کام کو انجام دیتے وقت اس میں خوب حسن اور عمدگی پیدا کرنا' حقدار کو اس کے حق سے زیادہ دینا' یہ سب احسان کے مفہوم اور اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

احسان کی اہمیت: اسلام میں احسان کی بڑی اہمیت ہے قرآن کریم اور احادیث میں بارہا اس کا حکم دیا گیا ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يَأْمُرُ بِٱلْعَدْلِ وَٱلْإِحْسَٰنِ ﴾ (النحل١٦/ ٩٠)

"بے شک اللہ تعالیٰ عدل واحسان کا حکم دیتا ہے۔"

﴿ وَأَحْسِن كَمَآ أَحْسَنَ ٱللَّهُ إِلَيْكَ ﴾ (القصص۲۸/ ۷۷)

"تو بھی احسان کر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر احسان کیا۔"

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ يُحِبُّ ٱلْمُحْسِنِينَ ﴿١٩٥﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۹۵)

"اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔"

﴿ هَلْ جَزَآءُ ٱلْإِحْسَٰنِ إِلَّا ٱلْإِحْسَٰنُ ﴿٦٠﴾ ﴾ (الرحمن۵۵/ ۶۰)

"احسان کا بدلہ احسان ہی ہے۔"

احسان فی القتل

احسان کی اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے ساتھ احسان (حسن سلوک) کا حکم دیا ہے۔

حتیٰ کہ اگر شرعی اصولوں کے تحت کسی کو قتل کرنا ہو تو اچھی طرح قتل کرو قتل کا آسان ترین طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ مقتول کو زیادہ تکلیف نہ ہو اور مقصد بھی حاصل ہو جائے۔ البتہ ڈاکہ زنی کے مجرم کو سولی کی سزا اور شادی شدہ کو سنگسار کرنے کا حکم چونکہ شریعت نے دیا ہے اس لئے وہ جائز ہے۔

بعض لوگ قتل کرتے وقت ایک ایک عضو کاٹتے ہیں تاکہ اسے زیادہ تکلیف ہو۔ اسلام کسی کو ناروا اور غیر ضروری تکلیف نہیں دینا چاہتا۔ حتی کہ جان لینے کی صورت میں بھی وہ کم از کم تکلیف دینے کی تلقین کرتا ہے۔

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ کفار قریش میں سے جو پکڑا جائے اسے آگ سے جلا دیا جائے' پھر آپ نے فرمایا: "صرف قتل کیا جائے اور آگ سے جلایا نہ جائے کیونکہ آگ کا عذاب دینا صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔" (صحيح البخاري' الجهاد' حديث: ۳۰۱۶)

احسان بالذبیحہ

اسی طرح آپ نے فرمایا کہ جب ذبح کرو تو بھی سلیقہ اور عمدگی سے ذبح کرو تمہیں چاہیئے کہ چھری کو خوب تیز کر لو اور ذبیحہ کو راحت پہنچاؤ۔

ذبیحہ کو مندرجہ ذیل طریقوں سے راحت پہنچائی جا سکتی ہے۔

ذبح کرنے سے پہلے اسے پانی پلایا جائے۔ چھری کو جانور سے چھپا کر رکھا جائے۔ اسے نرم

زمین پر لٹایا جائے۔ چھری پہلے سے خوب تیز کر لی جائے۔ چھری جلدی جلدی چلائی جائے۔ تمام رگیں خوب کاٹی جائیں تاکہ روح نکلنے میں دیر نہ ہو۔ جانور کے اچھی طرح ٹھنڈا ہو جانے کے بعد چمڑا اتارا جائے۔ کسی دوسرے جانور کے سامنے جانور کو ذبح نہ کیا جائے۔

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص بکری کو ذبح کرنے کی خاطر زمین پر لٹاکر اس کے سامنے چھری تیز کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا: "کیا تم اس جانور کو ذبح سے قبل ہی بار بار مارنا چاہتے ہو؟" (طبرانی کبیر (۱۱۹۱۶) و اوسط: ۳۷۹/۲ اور دیکھئے: مجمع الزوائد: ۳۳/۴)

۱۸۔ تقویٰ اور حسن اخلاق

عَنْ أَبِي ذَرٍّ جُنْدُبِ بْنِ جُنَادَةَ وَأَبِي عَبْدِالرَّحْمٰنِ مُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «اتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ، وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا، وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ» (رواه الترمذي وقال: حديث حسن، وفي بعض النسخ: حسن صحيح)

سیدنا ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ اور ابو عبدالرحمٰن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم جہاں کہیں بھی ہو اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھا کرو اور گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آیا کرو۔"

تخريج: جامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في معاشرة الناس، ح: ۱۹۸۷.

شرح الالفاظ: [اِتَّقِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ کا تقوی اختیار کر۔ یعنی اپنے اور اللہ تعالیٰ کی سزا و عقاب کے درمیان رکاوٹ پیدا کر اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور نواہی سے اجتناب کیا جائے یعنی اس کی حدود کی پابندی کی جائے۔ [حَيْثُ مَا كُنْتَ] تم جہاں

کہیں بھی ہو۔ [وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الحَسَنَةَ تَمْحُهَا] ''گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو' نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔'' یعنی جب تجھ سے کوئی صغیرہ گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو' وہ نیکی اس گناہ کو زائل کر دے گی جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد الٰہی ہے ﴿ إِنَّ الحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ﴾ (ھود :۱۱/۱۱۴) ''بے شک نیکیاں برائیوں کو ختم کر ڈالتی ہیں۔'' اس حدیث میں گناہ سے ''صغیرہ گناہ'' مراد ہیں کیونکہ کبیرہ گناہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

﴿ وَ خَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ ﴾ ''لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کر۔'' اس کی مختلف صورتیں ہیں مثلاً خوش روئی سے ملنا ان سے ایذا و تکلیف کو دور کرنا اور ان سے بھلائی کرنا۔ ان سے اچھا برتاؤ کرنا اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے رہنا سہنا وغیرہ۔

تشریح : آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوذر جندب بن جنادہ رضی اللہ عنہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ' دونوں کو تین نصیحتیں فرمائیں۔

① تقویٰ | آپ نے انہیں پہلی وصیت یہ فرمائی:

«اِتَّقِ اللّٰهَ حَيْثُمَا كُنْتَ»

''تم جہاں کہیں بھی ہو' اللہ تعالیٰ کا خوف دل میں رکھو۔''

تقویٰ بڑا جامع لفظ ہے اس میں نیکی کا شوق اور اعمال قبیحہ سے نفرت و اجتناب تک شامل ہے۔ یہ وصف ایک محتاط زندگی اختیار کرنے کا متقاضی ہے۔ صاحب تقوی شخص انتہائی پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہے اور کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس میں حرمت یا کراہت کا کوئی شائبہ ہی ہو۔ قرآن کریم میں بارہا تقوی کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِۦ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ ﴾

(آل عمران۳/ ۱۰۲)

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں موت آئے تو اسلام کی حالت میں آئے۔''

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَقُولُواْ قَوْلًا سَدِيدًا ﴿٧٠﴾ ﴾ (الأحزاب۳۳/ ۷۰)

''ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور سیدھی بات کیا کرو۔''

1//18

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ﴾

(الحشر٥٩/ ١٨)

"ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اور ہر شخص کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ کل قیامت کے لئے کیا بھیج رہا ہے؟"

اللہ تعالیٰ کے ہاں معیارِ تکریم' تقوی ہے جو شخص جس قدر اس وصف سے متصف ہو گا اتنا ہی اس کا مقام ہو گا' جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ ﴿١٣﴾ ﴾ (الحجرات٤٩/ ١٣)

"تم میں سے اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔"

اللہ تعالیٰ کے تقویٰ' ڈر اور خوف کا مفہوم یہ ہے کہ انسان انتہائی محتاط زندگی بسر کرے' تقوی کے معنی میں بیان کیا جاتا ہے کہ تقوی حد درجہ احتیاط کو کہتے ہیں جیسے کوئی شخص خاردار جھاڑیوں کے درمیان انتہائی تنگ راستے پر بڑی احتیاط سے چلتا ہے کہ اس کا دامن کانٹوں میں نہ الجھ جائے یا کوئی کانٹا اسے زخمی نہ کر دے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کا خوف اپنے دل میں بٹھا لے' اللہ تعالیٰ اسے حکمت و دانائی سے نوازتا ہے۔ جیسا کہ معروف مقولہ ہے:

(رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ)

"اللہ تعالیٰ کا خوف حکمت و دانائی کی اساس ہے۔"

تقویٰ کی اسی اہمیت اور فضیلت کے پیش نظر آنحضرت ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے۔

«اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالتُّقٰى وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰى»(صحيح مسلم، الذكر، باب في الأدعية، ح: ٢٧٢١)

"یا اللہ! میں تجھ سے ہدایت' تقوی' پاکدامنی اور تونگری کا سوال کرتا ہوں۔"

اسی لیے ہر امت کو تقوی کی تلقین کی گئی فرمایا۔

﴿ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا ٱلَّذِينَ أُوتُواْ ٱلْكِتَـٰبَ مِن قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ ٱتَّقُواْ ٱللَّهَ ۚ ﴾

(النساء٤/ ١٣١)

"جن کو تم سے پہلے کتاب دی گئی انہیں اور تمہیں ہم نے تقویٰ کی تلقین کی۔"

② توبہ | ان دونوں ساتھیوں کو آپ نے دوسری وصیت یہ فرمائی:

«أَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا»

"گناہ کے بعد نیکی کر لیا کرو' وہ نیکی اس گناہ کو مٹاڈالے گی۔"

واقعی نیکیاں گناہوں کو ختم اور مٹاڈالتی ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْحَسَنَـٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ﴾ (هود١١/ ١١٤)

"بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹاڈالتی ہیں۔"

انسان خطا کا پتلا ہے اس سے غلطی کا سرزد ہو جانا مستبعد نہیں۔ لیکن چاہیئے کہ انسان غلطی پر دوام و ثبات کی بجائے فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے اور توبہ و استغفار کرے' اللہ تعالیٰ اس کی غلطی معاف فرمادے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَمَن يَعْمَلْ سُوٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُۥ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ ٱللَّهَ يَجِدِ ٱللَّهَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١١٠﴾ ﴾ (النساء٤/ ١١٠)

"جس آدمی سے غلطی ہو جائے یا اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے پھر اگر وہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا۔"

یہ بھی اللہ تعالیٰ کا انسان پر فضل اور رحم ہے کہ انسان اگر غلطی کرے تو اس کے نامہ اعمال میں صرف ایک گناہ لکھا جاتا ہے اور جب انسان کوئی نیکی کا کام کرے تو اسے کم از کم دس گنا ثواب ملتا ہے۔ اسی لئے کسی کا قول ہے۔

(وَيْلٌ لِّمَنْ غَلَبَتْ آحَادُهُ عَشَرَاتِهِ)

"جس کی اکائیاں' دہائیوں سے بڑھ جائیں اس کے لیے تباہی وہلاکت ہے۔"

اس لئے نبی ﷺ نے وصیت فرمائی کہ اگر کسی وقت گناہ سرزد ہو بھی جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو اس نیکی کی وجہ سے برائی مٹ جائے گی۔ اگر انسان ہر گناہ کے بعد صرف ایک نیکی ہی کرے تو بھی نیکیاں گناہ سے زیادہ ہو جاتی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«كُلُّ بَنِي آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِينَ التَّوَّابُونَ»(سنن ابن ماجه،

الزهد، باب ذکر التوبة، ح: ٤٢٥١)

"ہر انسان خطا کا پتلا ہے اور بہترین خطاکار وہ ہیں جو توبہ کر لیں۔"

جو شخص صدق دل سے توبہ کر لے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے ندامت و شرمساری کا اظہار کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی غلطی معاف کر دیتا ہے اور وہ یوں پاک ہو جاتا ہے گویا اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

انسانوں سے گناہوں کا سرزد ہونا فطری امر ہے البتہ گناہوں پر اصرار و دوام غلط ہے۔ انسان سے گناہ ہو جائے تو توبہ کرنی چاہیئے اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا۔ اسی لئے متقیوں کی صفات بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

﴿ وَلَمْ يُصِرُّواْ عَلَىٰ مَا فَعَلُواْ ﴾ (آل عمران٣/ ١٣٥)

"وہ اپنے گناہوں پر اصرار نہیں کرتے۔"

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: "اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں معاف کر دے گا۔" (صحیح مسلم' التوبة' باب سقوط الذنوب بالاستغفار و التوبة' ٢٧٤٩)

انسان جب صدق دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس بندے پر ازحد خوش ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے یہ بات ایک واضح مثال دے کر بیان فرمائی۔

"تمہارا کیا خیال ہے کوئی شخص ویران اور بے آب و گیاہ جنگل میں سفر کر رہا ہو جہاں کھانے پینے کی کوئی چیز نہ ہو اس کا زادِ راہ اونٹنی پر ہو۔ اس جنگل میں دوپہر کے وقت آرام کے وقفہ میں جب یہ سویا ہوا ہو اس کی اونٹنی گم ہو جائے۔ وہ اونٹنی کو تلاش کرنے کی مکمل سعی کرے اسے اونٹنی نہ مل سکے وہ ناامید ہو کر اپنی جگہ واپس آ کر بیٹھ جائے اور اچانک اس کی اونٹنی خود بخود واپس آ جائے' کیا تم اس کی خوشی کا اندازہ کر سکتے ہو؟ جس قدر خوشی اس ناامید شخص کو اونٹنی کو حاصل کر لینے اور اپنے بچ جانے پر ہوتی ہے۔ انسان کے توبہ کرنے سے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے۔" (صحیح مسلم' التوبة' باب فی الحض علی التوبة' ح: ٢٧٤٤)

توبہ کی قبولیت کی شرائط

جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے گناہ کا اعتراف کر کے توبہ کرے تو اللہ کریم توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔

﴿ وَهُوَ ٱلَّذِى يَقۡبَلُ ٱلتَّوۡبَةَ عَنۡ عِبَادِهِۦ وَيَعۡفُواْ عَنِ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾ (الشوری٤٢/ ٢٥)

”وہ اللہ تعالیٰ ہی تو ہے جو اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا اور خطاؤں سے درگزر فرماتا ہے۔“

امام نووی رحمہ اللہ شرح صحیح مسلم میں رقم طراز ہیں کہ ”توبہ کا معنی رجوع اور واپسی ہے۔ لہذا توبہ سے مراد گناہوں سے رجوع ہے۔ اس کی تین شرطیں ہیں: ① گناہ کو ترک کرنا۔ ② اس پر ندامت کا اظہار کرنا۔ ③ اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم کرنا۔ اور اگر معصیت کا تعلق انسانوں کے ساتھ ہو تو چوتھی شرط یہ بھی ہے کہ صاحب حق کو راضی کر لیا جائے۔“

(شرح صحیح مسلم للنووی' کتاب التوبة)

قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوۡبَةً نَّصُوحًا عَسَىٰ رَبُّكُمۡ أَن يُكَفِّرَ عَنكُمۡ سَيِّـَٔاتِكُمۡ﴾ (التحریم٦٦/ ٨)

”اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی طرف خالص توبہ کرو امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے گناہ معاف کر دے۔“

حسن اخلاق

آپ نے اپنے دونوں ساتھیوں کو تیسری وصیت یہ فرمائی کہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آیا کرو۔ حسن اخلاق مسلمان کا بہترین وصف ہے۔ اور تمام انبیاء کرام علیہم السلام اعلیٰ اخلاق کا عمدہ نمونہ تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کا تذکرہ قرآن کریم میں ان الفاظ سے ہے۔

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ﴿٤﴾﴾ (القلم٦٨/ ٤)

”بے شک آپ اخلاق کی اعلیٰ قدروں پر فائز ہیں۔“

ایک حدیث میں آپ نے اپنی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ»(الموطأ، الجامع، باب ما جاء في

حسن الخلق، ومسند أحمد من رواية أبي هريرة وإسناده حسن وانظر صحيح الجامع الصغير، ح: ۲۸۳۳)

"مجھے مکارم (اعلیٰ) اخلاق کی تکمیل کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔"

ایک حدیث میں آپ نے اچھے اخلاق والے کو کامل مومن قرار دیا۔

«أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا» (سنن أبي داود، السنة، باب الدليل على زيادة الإيمان ونقصانه، ح: ٤٦٨٢، وجامع الترمذي، أبواب الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، ح: ١١٦٢)

"اہل ایمان میں سے سب سے کامل ایمان والا وہ ہے جس کے اخلاق سب سے عمدہ ہوں۔"

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْمُؤْمِنَ لَيُدْرِكُ بِحُسْنِ خُلُقِهِ دَرَجَةَ الصَّائِمِ الْقَائِمِ» (سنن أبي داود، السنة، باب في حسن الخلق، ح: ٤٧٩٨)

"بے شک ایک مومن اپنے عمدہ اخلاق کی بدولت روزہ دار اور تہجد گزار کا درجہ پالیتا ہے۔"

قیامت کے روز میزان میں سب سے وزنی عمل' اعلیٰ اخلاق ہو گا۔ آپ نے فرمایا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ» (سنن أبي داود، السنة، باب في حسن الخلق، ح: ٤٧٩٩ وجامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، ح: ٢٠٠٣)

"بندے کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہو گا۔"

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«أَلاَ أُخْبِرُكُمْ بِأَحَبِّكُمْ إِلَى اللهِ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: أَحَاسِنُكُمْ أَخْلاَقًا» (صحيح ابن حبان، ح: ٤٨٥)

"کیا میں تمہیں ایسا شخص نہ بتاؤں جو اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور وہ

قیامت کو میرے سب سے زیادہ قریب ہو گا؟" صحابہ نے کہا: ضرور بیان فرمائیں۔ آپ نے فرمایا: "جس کا اخلاق سب سے عمدہ ہو۔"

آنحضرت ﷺ اگرچہ انتہائی اعلیٰ اخلاق کے مالک تھے اس کے باوجود یہ دعا کیا کرتے تھے:

«اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِي فَحَسِّنْ خُلُقِي» (مسند أحمد: ١/ ٤٠٣، وصحيح ابن حبان، ح: ٩٥٩ وإرواء الغليل: ١/ ١١٣)

"یا اللہ! تو نے جیسے میری صورت خوبصورت بنائی ہے ویسے میرے اخلاق بھی عمدہ بنا دے۔"

حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اَلْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ» (صحيح مسلم، البر والصلة، باب تفسير البر والإثم، ح: ٢٥٥٣)

"نیکی عمدہ اخلاق کا نام ہے۔"

١٩۔ تقدیر اور توکل

عَنْ أَبِي الْعَبَّاس عَبْدِاللهِ بْنِ عَبَّاس رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ ﷺ يَوْمًا، فَقَالَ: «**يَا غُلَامُ! إِنِّي أُعَلِّمُكَ كَلِمَاتٍ: احْفَظِ اللهَ يَحْفَظْكَ، احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ، إِذَا سَأَلْتَ فَاسْأَلِ اللهَ، وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللهِ، وَاعْلَمْ أَنَّ الْأُمَّةَ لَوِ اجْتَمَعَتْ عَلَى أَنْ يَنْفَعُوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَنْفَعُوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ لَكَ، وَإِنِ اجْتَمَعُوا عَلَى أَنْ يَضُرُّوكَ بِشَيْءٍ، لَمْ يَضُرُّوكَ إِلَّا بِشَيْءٍ قَدْ كَتَبَهُ اللهُ عَلَيْكَ، رُفِعَتِ الْأَقْلَامُ وَجَفَّتِ الصُّحُفُ**» رواه الترمذي وقال حديث حسن صحيح وفي رواية غير الترمذي «**احْفَظِ اللهَ تَجِدْهُ**

أَمَامَكَ، تَعَرَّفْ إِلَى اللهِ فِي الرَّخَاءِ يَعْرِفْكَ فِي الشِّدَّةِ وَاعْلَمْ أَنَّ مَا أَخْطَأَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُصِيبَكَ، وَمَا أَصَابَكَ لَمْ يَكُنْ لِيُخْطِئَكَ، وَاعْلَمْ أَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ، وَأَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ، وَأَنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا»

سیدنا ابو العباس' عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک روز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا تو آپ نے فرمایا: "اے لڑکے! میں تمہیں چند (مفید) باتیں بتاتا ہوں۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر (اس کے احکام کی پابندی کر) وہ تیری حفاظت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر' تو اسے اپنے سامنے پائے گا' جب تو سوال کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کر۔ جب تو مدد طلب کرے تو اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگ۔ یاد رکھ ساری دنیا جمع ہو کر تجھے فائدہ پہنچانا چاہے تو وہ تجھے کسی بات کا فائدہ اور نفع نہیں دے سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے۔ اور اگر سارے لوگ مل کر تجھے نقصان پہنچانا چاہیں تو وہ تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے سوائے اس نقصان کے جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مقدر کر رکھا ہو۔ قلم اٹھا لیے گئے اور صحیفے خشک ہو چکے ہیں۔"

(ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے) ترمذی کے علاوہ دوسرے محدثین کی روایت میں یوں ہے "تو اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کر تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ تو خوش حالی میں اس کی طرف رجوع کر وہ تنگ دستی کے وقت تیری مدد فرمائے گا۔ یاد رکھو! جو چیز تمہیں نہیں ملی وہ تمہیں مل ہی نہیں سکتی تھی اور جو کچھ تجھے مل گیا اس سے تو محروم نہیں رہ سکتا تھا۔ یاد رکھو! اللہ تعالیٰ کی مدد صبر سے وابستہ ہے۔ اور تکالیف و مصائب کے بعد کشادگی اور فراخی آتی ہے۔ اور تنگی کے بعد آسانی بھی ہوتی ہے۔"

تخریج : جامع الترمذي، صفة القيامة، باب ٥٩، ح:٢٥١٦ وصحيح الجامع الصغير للألباني، ح: ٢٦٦١.

شرح الالفاظ : [كُنْتُ خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَوْمًا] میں ایک روز نبی ﷺ کے پیچھے تھا [يَا غُلَامُ] عربوں کے ہاں دودھ چھڑانے کی عمر سے ۹ برس تک کی عمر کے بچے کو "غلام" کہتے ہیں۔ ان کی عمر اس وقت تقریباً دس سال تھی۔ [كَلِمَاتٍ] یعنی نصائح۔ یہ جمع قلت کا وزن ہے کیونکہ ان کلمات کو حفظ کرنا نہایت آسان ہے اس لفظ کے آخر میں "تنوین" ان کلمات کی عظمت کے اظہار کے لیے ہے۔ [احْفَظِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ کی حفاظت کر یعنی اس کے عائد کردہ فرائض اور حدود کی پابندی کر اور ہمیشہ اس کا تقویٰ اختیار کیے رہ' اس کے منع کردہ اور ناپسندیدہ کاموں سے اجتناب کر۔ [يَحْفَظْكَ] وہ تیری جان' مال' اہل و عیال اور تیرے دین و دنیا کی حفاظت کرے گا۔ [تُجَاهَكَ] "اپنے سامنے" یعنی تو جہاں بھی ہو گا حفاظت' امانت اور تائید میں تو اسے اپنے سامنے پائے گا۔ [فَاسْئَلِ اللّٰهَ] اللہ تعالیٰ ہی سے مانگ۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے: ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ (النساء ۳۲/۴)

[فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ] اکیلے اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگو کیونکہ تمہاری دعاؤں کی قبولیت اور تمہاری اعانت کا اختیار اسی کو ہے کسی دوسرے کو نہیں۔ [رُفِعَتِ الْاَقْلَامُ] قلم اٹھائے جا چکے ہیں کیونکہ یہ تمام امور حیطۂ تحریر میں آ چکے ہیں۔ [جَفَّتِ الصُّحُفُ] یہ تمام امور پہلے تحریر ہو چکے اور عرصہ ہوا اس تحریر کی روشنائی خشک ہو چکی۔ [صُحُفُ] سے مراد لوحِ محفوظ وغیرہ' وہ صحیفے ہیں جن میں کائنات کی تقدیریں درج ہیں۔ [الرَّخَاءِ] نعمت و خوشحالی اور فراوانی۔ [إِنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْكَرْبِ] فرج سے مراد غم سے نجات ہے اور غم سے دل کی تنگی مراد ہے۔

تشریح : اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی ابوالعباس عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو چند نصیحتیں فرمائی ہیں بظاہر اس حدیث کے مخاطب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ہیں لیکن فی الحقیقت آپ نے ان کی وساطت سے یہ تمام مسلمانوں کو ہدایات دی ہیں یہ ہدایات اور نصائح بڑی جامع ہیں ان پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں ایک مسلمان کا ایمان

تکمیل پذیر ہوتا ہے دنیا سنور جاتی ہے‘ وہ دنیا کی پروا نہیں کرتا اور اپنا حاجت روا صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سمجھتا ہے اور اسے دنیا کے کسی بھی شخص کا ڈر نہیں رہتا وہ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور امان میں آجاتا ہے۔

پہلی نصیحت: اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت

آپ نے نصیحتوں سے قبل انہیں اپنی جانب اچھی طرح متوجہ ہونے کے لیے فرمایا لڑکے! میں تمہیں چند باتیں سکھانے لگا ہوں۔ آپ کا مقصود یہ تھا کہ یہ اہم باتیں ہیں انہیں غور سے سن کر یاد رکھنا۔ اسے پوری طرح متوجہ کر کے آپ نے فرمایا:

«اِحْفَظِ اللّٰهَ تَجِدْهُ تُجَاهَكَ»

”تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو یعنی اس کے احکام کی اطاعت کرتے رہو تم اللہ تعالیٰ کو اپنے سامنے پاؤ گے۔“

یعنی تم جب تک اللہ تعالیٰ کے احکام کی حفاظت کرو گے اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت کرے گا اور اس کی رحمت و برکت ہر وقت شامل حال ہو گی۔ یہ حقیقت ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند اور اس کا فرمانبردار ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی نگہبانی اور حفاظت فرماتا ہے۔ اور ایسی جگہ سے اس کی روزی کا انتظام کرتا ہے کہ انسان کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

﴿وَمَن يَتَّقِ ٱللَّهَ يَجْعَل لَّهُۥ مَخْرَجًا ۝٢ وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

(الطلاق ٦٥/ ٢-٣)

”جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی سبیل نکال دیتا ہے اور ایسی جگہ سے روزی فراہم کرتا ہے۔ جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔“

اس سلسلہ میں صحابہ کرام کی زندگیوں میں ہمیں بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔

صحابی رسول حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ مشہور ہے کہ ایک دفعہ دوران سفر جنگل میں جا رہے تھے کہ اچانک ایک خونخوار شیر آ پہنچا وہ حملہ کرنے لگا تو حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اے شیر! یاد رکھو! میں رسول اللہ ﷺ کا ساتھی اور خادم ہوں کیا تو مجھے کھائے گا؟ چنانچہ ان کا بیان ہے کہ شیر حملہ سے رک گیا گردن جھکا کر ان کے پاؤں چاٹنے لگا اور اس نے ان کی نگرانی کی تاکہ کوئی دوسرا جانور انہیں پریشان نہ کرے۔

اسی طرح مسلمانوں کے ایک لشکر کو رات جنگل میں ٹھہرنے کی ضرورت پیش آئی حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے زور سے اعلان کیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے ساتھی آج رات اس جنگل میں قیام کریں گے لہٰذا تمام جانور جنگل خالی کر دیں۔ ان کا اعلان سنتے ہی تمام جانور اپنے بچوں کو لے کر جنگل سے باہر چلے گئے۔

اسی طرح صحیح مسلم میں ایک واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں تین سو آدمیوں کا ایک لشکر کفار پر نظر رکھنے کے لیے ساحل سمندر کی طرف بھیجا اور صرف ایک تھیلی کھجوروں کی ان کے سپرد کی۔ کیونکہ انہیں دینے کے لئے اس کے علاوہ کوئی چیز موجود نہ تھی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ روزانہ صرف ایک ایک کھجور دیتے۔ کسی نے پوچھا آپ ایک کھجور سے کیا کرتے تھے؟ فرمایا! ہم اسی ایک کھجور سے سارا دن گزارا کرتے' کھجور کھا کر پانی پی لیتے اور سارا دن کھجور کی گٹھلی کو بچوں کی طرح چوستے رہتے اور ہم بھوک کے ہاتھوں مجبور ہو کر لاٹھیوں سے درختوں کے پتے جھاڑ کر انہیں پانی میں بھگو بھگو کر کھایا کرتے۔ عربی میں پتوں کو الخبط کہتے ہیں اسی مناسبت سے یہ لشکر جیش الخبط کہلاتا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم سمندر کے کنارے جا رہے تھے کہ ہمیں ساحل سمندر پر ایک بہت بڑا ٹیلا نظر آیا ہم وہاں پہنچے تو وہ عنبر نامی ایک سمندری جانور تھا۔ پہلے تو ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے کہا یہ مردہ ہے۔ حرام ہے ہم نہیں کھا سکتے پھر سوچا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے فرستادے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوئے ہیں کھانے کے لیے ہمارے پاس کچھ نہیں لہٰذا اضطرار کی بناء پر کھا سکتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم تین سو آدمی تھے وہاں ایک ماہ ہمارا قیام رہا اور ہم اس کا گوشت کھاتے رہے۔ اس کی آنکھ کے گڑھے سے ہم نے کئی مٹکے چربی حاصل کی اور ہم اس سے بیل کے جسم کے مطابق ٹکڑے کاٹ کاٹ کر کھاتے رہے۔ اور

ہم سب خوب فربہ ہو گئے۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جانور کی جسامت کا اندازہ لگانے کے لیے اس کی آنکھ کے گڑھے میں لوگوں کو بیٹھنے کا کہا تو تیرہ آدمی اس کے اندر سما گئے پھر سب سے اونچا اونٹ منگوا کر اس پر پالان باندھا اور سب سے طویل آدمی کو اونٹ پر بٹھا کر اس کی پسلی کے نیچے سے گزارا گیا تو پسلی اس قدر بلند تھی کہ وہ بڑے آرام سے نیچے سے گزر گیا۔ جب ہم وہاں سے روانہ ہونے لگے تو ہم اس کا گوشت اپنے ہمراہ مدینہ بھی لے گئے وہاں پہنچ کر ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ ذکر کیا تو آپ نے فرمایا:

«هُوَ رِزْقٌ أَخْرَجَهُ اللهُ لَكُمْ»(صحيح مسلم، الصيد، باب إباحة ميتات البحر، ح:١٩٣٥)

"وہ (خصوصی) رزق تھا جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے نکالا تھا۔"

پھر آپ نے دریافت فرمایا: تمہارے پاس اس کا گوشت موجود ہے تو ہمیں بھی دو چنانچہ ہم نے آپ کی خدمت میں بھیجا تو آپ نے بھی تناول فرمایا۔ چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے ہوئے اس کے مخلص بندے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کیسے ان کے رزق کا انتظام فرما دیا۔ ((مَنْ كَانَ لِلّٰهِ كَانَ اللّٰهُ لَهُ)) کا بھی یہی مفہوم ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا بن جائے اپنے آپ کو اس کا مطیع اور فرمانبردار کر لے اور اس کے احکام کا عامل اور پابند ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کرتا' اس کی ضروریات پوری کرتا اور اس کی پریشانیاں دور فرما دیتا ہے۔

اصحاب الاخدود کے واقعہ میں جب ایک بچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔ بادشاہ اور اس کے حواریوں نے اسے قتل کرنے کے مختلف منصوبے بنائے۔ ایک دفعہ اسے قتل کرنے کے لیے سمندر میں ڈالنے کے لیے لے گئے لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کو ہلاک کر دیا اور اس کی حفاظت فرمائی' ایک دفعہ اسے مار ڈالنے کی خاطر پہاڑ کے اوپر لے گئے تاکہ وہاں سے دھکا دے کر نیچے گرا دیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت فرمائی اور پہاڑ کو حرکت ہوئی وہ سب لوگ نیچے جا گرے اور وہ بچہ محفوظ رہا۔ (صحیح مسلم' الزھد' باب قصة

أصحاب الاخدود والساحر والراهب والغلام' حدیث:۳۰۰۵)

حضرت جریج رحمہ اللہ اللہ تعالیٰ کے ایک نیک' صالح اور متقی بندے تھے۔ اس زمانے کی ایک عورت نے بدکاری کی' اس کے بطن سے بچہ تولد ہوا اب اس سے پوچھ گچھ کی گئی تو اس نے جریج کا نام لے لیا کہ یہ بچہ اس کا ہے لوگ طرح طرح کی باتیں کرنے لگے کہ جریج تو بڑا عابد و زاہد بنتا تھا۔ مگر پوشیدہ طور پر ایسے کام بھی کرتا ہے۔ جوشِ مخالفت میں وہ لوگ ان کے عبادت خانے کو گرانے آئے۔ جریج اس ساری صورت حال سے بے خبر تھے۔ انہوں نے لوگوں سے کہا یہ مجھ پر الزام ہے۔ بچہ لاؤ بچے کو لایا گیا تو جریج نے بچے سے پوچھا کہ تمہارا باپ کون ہے؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بچہ بول پڑا اور اس نے بتا دیا کہ میرا باپ فلاں ہے اور لوگوں کو جریج کی بے گناہی اور پاکدامنی کا یقین ہو گیا۔ (صحیح مسلم' البر والصلة الادب' باب تقدیم بر الوالدین علی التطوع بالصلاۃ..... ح:۲۵۵۰)

دیکھیں اللہ تعالیٰ نے کیسے اپنے بندے کی حفاظت فرمائی اور اس کی عفت کا اظہار کروایا۔ ان واقعات سے آنحضرت ﷺ کی اس نصیحت کی تائید و تصدیق ہوتی ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دین و احکام کی پابندی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت کرتا اور اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال نے یہ بات ایک شعر میں یوں بیان کی ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا؟ لوح و قلم تیرے ہیں

وَإِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰهَ

آنحضرت ﷺ نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو دوسری وصیت فرمائی' جب بھی مانگنا ہو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ اس کا تعلق توحید سے ہے کہ انسان اپنی ہر قسم کی ضرورت صرف اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرے۔ وہی حاجت روا اور مشکل کشا ہے اس کے علاوہ کسی اور کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا توحید کے منافی اور شرک ہے۔ تمام انسان خواہ وہ کتنے ہی نیک کیوں نہ ہوں' اپنی تمام حاجات و ضروریات کے لیے اللہ تعالیٰ کے محتاج ہوتے ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے مانگتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا فرماتا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ حَيِيٌّ كَرِيمٌ يَسْتَحْيِي إِذَا رَفَعَ الرَّجُلُ إِلَيْهِ يَدَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا خَائِبَتَيْنِ»(سنن أبي داود، الوتر، باب الدعاء، ح:١٤٨٨ وجامع الترمذي، الدعوات، باب:١٠٥، ح:٣٥٥٦ وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب رفع اليدين في الدعاء، ح: ٣٨٦٥)

”بے شک اللہ تعالیٰ صاحب حیا و کرم ہے جب بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہاتھ پھیلاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حیا آتی ہے کہ اسے خالی ہاتھ واپس کرے۔“

اللہ تعالیٰ تو اس قدر مہربان ہے کہ رات کے وقت جب ساری کائنات آرام کرتی ہے اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں پہلے آسمان پر تشریف لا کر بندوں کو پکارتا ہے:

- ”کیا ہے کوئی مغفرت کا طالب؟ میں اسے معاف کر دوں۔“
- ”کوئی ہے مجھے پکارنے والا؟ میں اس کی پکار کا جواب دوں۔“
- ”ہے کوئی سائل؟ کہ اسے عطا کروں۔“

(اس طرح مختلف چیزوں کا نام لے لے کر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو پکارتا ہے) اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔ (صحيح البخاري التهجد' باب الدعاء والصلاة من أخر الليل .....' حديث :١١٤٥ و صحيح مسلم' صلاة المسافرين' باب الترغيب فى الدعاء والذكر فى آخر الليل' حديث ٧٥٨۔

پس اپنی ہر حاجت و ضرورت اللہ تعالیٰ ہی سے طلب کی جائے۔

انبیاء کرام کا اسوہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے اپنی ہر ضرورت کے لیے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی' حضرت آدم علیہ السلام پر آزمائش آئی تو انہوں نے دعا کی۔

﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ ٱلْخَـٰسِرِينَ ﴿٢٣﴾ ﴾

(الأعراف٧/ ٢٣)

”اے ہمارے رب! ہم اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے اگر تو ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوں گے۔“

حضرت نوح علیہ السلام جب قوم کو تبلیغ کر کے عاجز آ گئے تو دعا کی:

﴿ أَنِّي مَغْلُوبٌ فَٱنتَصِرْ ﴿١٠﴾ ﴾ (القمر٥٤/ ١٠)

"یا اللہ! میں عاجز آگیا ہوں تو میری مدد فرما۔"

حضرت یونس علیہ السلام پریشانی کا شکار ہوئے، مچھلی کے پیٹ میں جا پہنچے تو دعا کی:

﴿ لَّآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنتَ سُبْحَٰنَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (الأنبياء٢١/ ٨٧)

"یا اللہ! تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ تو ہر عیب سے پاک ہے اور میں ہی خطا کار ہوں۔"

خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی ہر پریشانی اور ضرورت کے وقت اللہ تعالیٰ سے درخواست کی۔ انسان اگر اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے اور کچھ نہ مانگے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ لَّمْ يَسْئَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْهِ»(جامع الترمذي، الدعوات، باب: ٢ ح: ٣٣٧٣ وسنن ابن ماجه، الدعاء، باب فضل الدعاء، ح: ٣٨٢٧ وإسناده حسن)

"جو شخص اللہ تعالیٰ سے نہ مانگے تو وہ اس سے ناراض ہو جاتا ہے۔"

یعنی دنیا کے لوگوں سے مانگا جائے تو ناخوش ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان ہے کہ مانگنے سے خوش اور نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لاَ تَسْأَلَنْ بَنِي آدَمَ حَاجَتَهُ
وَاسْأَلِ الَّذِي أَبْوَابُهُ لاَ تَحْجُبُ
اَللهُ يَغْضَبُ إِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهُ
وَابْنُ آدَمَ حِينَ يُسْأَلُ يَغْضَبُ

"یعنی انسان سے کوئی چیز نہ مانگو۔ بلکہ اس سے مانگو جس کے کرم و سخاوت کے دروازے ہمیشہ کھلے رہتے ہیں کبھی بند نہیں ہوتے اگر تو اللہ سے مانگنا ترک کر دے وہ ناراض ہو گا، جبکہ اس کے برعکس اگر انسان سے سوال کیا جائے تو وہ ناراض ہو جاتا ہے۔"

انسان اور رب میں کتنا فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا چھوڑ دیں تو وہ ناراض ہوتا ہے اور ابن آدم سے کچھ مانگا جائے تو ناراض ہو جاتا ہے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے وصیت فرمائی۔

«وَإِذَا سَئَلْتَ فَاسْئَلِ اللهَ»

"جب بھی مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔"

وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ	"جب مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ سے مانگو۔"

توحید کے مفہوم میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ انسان اپنی ہر مشکل اور پریشانی کے حل کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کا طالب ہو۔ کیونکہ وہی اس کے لائق ہے کہ انسان کی مدد کرے اس کے علاوہ کسی میں اس کی طاقت ہے نہ اختیار۔ اس بات کی اہمیت کے پیش نظر نماز کی ہر رکعت میں یہ اقرار کرایا جاتا ہے۔

﴿ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ﴿٥﴾ ﴾ (الفاتحة١/ ٥)

"یا اللہ! ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور خاص تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

نفع اور نقصان کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور کوئی نہیں' فرمایا:

﴿ وَلَا تَدْعُ مِن دُونِ ٱللَّهِ مَا لَا يَنفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَإِن فَعَلْتَ فَإِنَّكَ إِذًا مِّنَ ٱلظَّٰلِمِينَ ﴿١٠٦﴾ وَإِن يَمْسَسْكَ ٱللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُۥٓ إِلَّا هُوَ وَإِن يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهِۦ يُصِيبُ بِهِۦ مَن يَشَآءُ مِنْ عِبَادِهِۦ وَهُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿١٠٧﴾ ﴾ (یونس١٠/ ١٠٦-١٠٧)

"تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو مت پکارو جو تمہیں نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اگر تم نے ایسا کیا تو ظالموں میں سے ہو گے اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں نقصان پہنچانا چاہے تو اسے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ فائدہ دینا چاہے تو اس کے فضل کو بھی کوئی روک نہیں سکتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازتا ہے وہی بخشنے والا' مہربان ہے۔"

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور سے مدد طلب کرتے ہیں۔ ان کی عاجزی کا تذکرہ یوں

فرمایا:

﴿ أَيُشْرِكُونَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿١٩١﴾ وَلَا يَسْتَطِيعُونَ لَهُمْ نَصْرًا وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ ﴿١٩٢﴾ وَإِن تَدْعُوهُمْ إِلَى ٱلْهُدَىٰ لَا يَتَّبِعُوكُمْ ۚ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُمُوهُمْ أَمْ أَنتُمْ صَـٰمِتُونَ ﴿١٩٣﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ عِبَادٌ أَمْثَالُكُمْ ۖ فَٱدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا۟ لَكُمْ إِن كُنتُمْ صَـٰدِقِينَ ﴿١٩٤﴾ ﴾

(الأعراف٧/ ١٩١۔١٩٤)

"کیا یہ لوگ ان کو شریک ٹھہراتے ہیں جو پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ وہ خود اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ جو اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ ان پکارنے والوں کی۔ اگر تم ان لوگوں کو ہدایت کی طرف بلاؤ بھی تو یہ تمہارا کہنا نہ مانیں گے۔ تم انہیں بلاؤ یا خاموش رہو' برابر ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا تم جن کو پکارتے ہو وہ تو تم جیسے بندے ہیں انہیں پکار کر دیکھ لو۔ اگر تم سچے ہو تو انہیں تمہاری بات پوری کرنی چاہیئے۔"

اسی طرح مزید فرمایا:

﴿ أَمَّن يُجِيبُ ٱلْمُضْطَرَّ إِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ ٱلسُّوٓءَ ﴾ (النمل٢٧/ ٦٢)

"کون ہے جو پریشان حال کی پکار کا جواب دے جب وہ پکارے اور وہ تکلیف کو ہٹائے۔"

یعنی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں۔ چونکہ پکار سننے والا مدد کو پہنچنے والا' اور مصائب کو دور کرنے والا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں اس لیے جب بھی مدد کی ضرورت ہو تو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگنی چاہیئے۔ حضرت عبداللہ کو رسول اللہ ﷺ نے یہی وصیت فرمائی:

«وَإِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰهِ»

"جب بھی مدد مانگو تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگو۔"

خیال رہے اس سے مراد فوق الاسباب یعنی ذرائع اور وسائل کے بغیر مدد طلب کرنا ہے۔ اسباب و وسائل کے بغیر صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی مدد فرماتا ہے۔ اور اسباب و

وسائل کے مطابق انسان بھی ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا:

﴿ وَتَعَاوَنُوا۟ عَلَى ٱلْبِرِّ وَٱلتَّقْوَىٰ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔"

توکل علی اللہ

آپ نے مزید نصیحت یہ فرمائی کہ ساری انسانیت مل کر تمہیں کوئی فائدہ پہنچانا چاہے تو نہیں پہنچا سکتی۔ اسی طرح سب لوگ مل کر تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے وہی ہو گا جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہو۔

مدعی لاکھ برا چاہے تو کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿١٢٢﴾ ﴾ (آل عمران٣/ ١٢٢)

"اہل ایمان کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔"

﴿ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ ﴾ (یوسف١٢/ ٦٧)

"میرا اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ ہے اور بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیئے۔"

﴿ قُل لَّن يُصِيبَنَآ إِلَّا مَا كَتَبَ ٱللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَىٰنَا ۚ وَعَلَى ٱللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ ٱلْمُؤْمِنُونَ ﴿٥١﴾ ﴾ (التوبة٩/ ٥١)

"کہہ دیجئے ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے اور وہی ہمارا کارساز ہے اہل ایمان کو چاہیئے کہ اسی پر بھروسہ کریں۔"

جو شخص اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھے اسے اللہ تعالیٰ ہی کافی ہے۔

﴿ وَمَن يَتَوَكَّلْ عَلَى ٱللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُۥٓ ﴾ (الطلاق٦٥/ ٣)

"اور جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرے تو وہ اس کے لیے کافی ہے۔"

ایک حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو جیسا کہ اس پر بھروسہ رکھنے کا حق ہے۔ تو وہ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دے گا کہ وہ صبح کو خالی پیٹ گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھر کر واپس لوٹتے ہیں۔" (سنن ابن ماجه' الزهد

باب التوکل والیقین‘ ح: ۴۱۶۴)

صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ کرنا ایمان کا تقاضا ہے۔ اس لیے آپ نے یہ نصیحت بھی فرمائی کہ مومن کا پورا اعتماد‘ بھروسہ اور توکل صرف اللہ تعالیٰ پر ہونا چاہیئے۔ لوگ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ رہنے کو توکل نہیں کہتے بلکہ محنت و کوشش کے بعد نتائج و عواقب کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنے کا نام توکل ہے۔

ازالہ مشاکل آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آسودگی و خوشحالی کے دنوں میں اللہ تعالیٰ کو یاد رکھو وہ تنگدستی میں تمہاری مدد کرے گا۔

تقدیر آپ نے فرمایا: یاد رکھو تم جس چیز سے محروم ہو وہ تمہاری قسمت میں نہیں تھی اور جو تمہیں مل گئی ہے وہ مل کر رہنی تھی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں جو بہرحال پورے ہو کر رہتے ہیں۔

صبر آخر میں رسول اللہ ﷺ نے صبر کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر سے وابستہ ہے اور تکالیف کے بعد خوشحالی آیا کرتی ہے۔ اور تنگی کے ساتھ آسانی بھی ہوتی ہے۔ لہٰذا کسی موقع پر کوئی امتحان‘ آزمائش یا پریشانی ہو تو صبر کرنا اور اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنی چاہیئے۔ آخر کار وہ تکلیف اور پریشانی دور ہو جائے گی۔

۲۰۔ شرم و حیا جزو ایمان ہے

عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ عُقْبَةَ بْنِ عَمْرٍو الأَنْصَارِيِّ الْبَدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الأُولَى إِذَا لَمْ تَسْتَحْيِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ»(رواه البخاري)

سیدنا ابو مسعود عقبہ بن عمرو انصاری بدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "سابقہ نبوت کے کلام میں سے لوگوں نے جو باتیں پائی ہیں‘ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ جب تو حیا چھوڑ دے تو جو دل چاہے

کر۔"

تخريج: صحيح البخاري، الأنبياء، باب: ٥٤، ح: ٣٤٨٣، ٣٤٨٤.

شرح الالفاظ: [إِنَّ مِمَّا أَدْرَكَ النَّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوَّةِ الْأُولٰى] یعنی وہ حکم جس پر تمام شریعتیں متفق ہیں۔ سابقہ تمام انبیاء کی شریعتوں میں حیا ایک ممدوح صفت رہی اور اس کا حکم دیا جاتا رہا اور یہ حکم کسی بھی شریعت میں منسوخ نہیں ہوا۔ [فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ] جو دل چاہے کر اس میں تہدید اور وعید ہے۔

تشریح: اس حدیث مبارک میں آنحضرت ﷺ نے حیا کی اہمیت واضح فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ اس قدر اہم ہے کہ یہ تمام سابقہ انبیاء کی تعلیمات کا جزو رہا ہے جب حیا ہی نہیں تو انسان جو دل چاہے کرتا رہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔

حیا اس فطری جذبہ کو کہتے ہیں جو انسان کو نیکی کی طرف راغب کرتا' برائیوں اور خلاف مروت کاموں سے نفرت دلاتا ہے۔ ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ باحیا ہو۔ آنحضرت ﷺ نے اسے ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے' فرمایا:

«الإِيمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُونَ شُعْبَةً، فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لاَ إِلٰهَ إِلاَّ اللهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الأَذٰى عَنِ الطَّرِيقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الإِيمَانِ»

(صحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان، ح: ٣٥)

"ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں ان میں سب سے افضل شعبہ لا الہ الا اللہ یعنی توحید ہے اور سب سے کم تر درجہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے اور حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔"

حضرت ابوہریرہ اور ابوبکرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم سے روایت ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ وَالإِيمَانُ فِي الْجَنَّةِ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحياء، ح: ٤١٨٤ وابن حبان (موارد الظمآن)، ح: ٢٤، ١٩٢٩ والمعجم الصغير للطبراني: ٢/ ١١٥)

"حیا ایمان کا حصہ ہے اور ایمان دخول جنت کا ذریعہ ہے۔"

ایمان دار شخص باحیا ہوتا ہے اور جس میں حیا کا جذبہ نہ ہو گویا وہ ایمان کے اس وصف سے محروم ہے آنحضرت ﷺ نے ایک آدمی کو سنا کہ وہ اپنے بھائی کو حیا کی کثرت پر سرزنش کررہا تھا۔ آپ نے فرمایا:

«دَعْهُ، فَإِنَّ الْحَيَاءَ مِنَ الإِيمَانِ» (صحيح البخاري، الإيمان، باب الحياء من الإيمان، ح: ٢٤ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان شعب الإيمان، ح: ٣٦)

"اسے رہنے دو، کچھ نہ کہو، حیا ایمان کا حصہ ہے۔"

آپ ﷺ نے حیا کی مدح کرتے ہوئے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، ح: ٦١١٧ وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان شعب الإيمان، ح: ٣٧)

"حیا مکمل طور پر خیر ہی خیر ہے۔"

حیا کی اہمیت کے ضمن ہی میں آپ نے فرمایا:

«مَا كَانَ الْفُحْشُ فِي شَيْءٍ إِلاَّ شَانَهُ وَمَا كَانَ الْحَيَاءُ فِي شَيْءٍ إِلاَّ زَانَهُ» (سنن ابن ماجه، الزهد، باب الحياء، ح: ٤١٨٥)

"بے حیائی جس میں ہو اسے معیوب بنا ڈالتی ہے اور جس میں حیا آجائے وہ اسے مزین اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔"

حیا کا مطلب یہی ہے کہ انسان اپنے آپ کو برائی اور گناہ سے بچائے اور شرم گاہ وغیرہ پر قابو رکھے۔ اسلام میں شرم و حیا پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ آنحضرت ﷺ کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ آپ کنواری لڑکی سے بھی زیادہ باحیا تھے۔ (صحيح البخاري، المناقب، باب صفة النبى ﷺ، حديث: ٣٥٦٢ و صحيح مسلم، الفضائل، باب حيائه ﷺ حديث: ٢٣٢٠)

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَيَاءُ لاَ يَأْتِي إِلاَّ بِخَيْرٍ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الحياء، ح: ٦١١٧

وصحيح مسلم، الإيمان، باب بيان عدد شعب الإيمان، ح:٣٧)

”حیا خیر و برکت ہی لاتی ہے۔“

ان تمام احادیث سے حیا کی اہمیت و برکت واضح ہوتی ہے اس لیے اسے ایمان کا حصہ قرار دیا گیا ہے۔ جس انسان میں شرم و حیا کا جذبہ نہ رہے تو اس سے کسی نیکی‘ بھلائی اور خیر کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اکبر الہ آبادی فرماتے ہیں:

جس کو خدا کی شرم ہے وہ ہے بزرگ دین
دنیا کی جس کو شرم ہے‘ مرد شریف ہے
جس کو کسی کی شرم نہیں اس کو کیا کہوں
فطرت کا وہ رذیل ہے دل کا کثیف ہے

۲۱۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس پر ثابت قدمی

عَنْ أَبِي عَمْرٍو، وَقِيلَ أَبِي عَمْرَةَ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِاللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! قُلْ لِّي فِي الإِسْلَامِ قَوْلاً، لاَ أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا غَيْرَكَ، قَالَ: «قُلْ آمَنْتُ بِاللهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»(رواه مسلم)

سیدنا ابو عمرو (یا ابو عمرہ) سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے کہا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی واضح بات فرمائیں کہ اس کے متعلق مجھے آپ کے علاوہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے‘ آپ نے فرمایا: ”تو کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا‘ اور پھر اس پر ثابت قدم رہ۔“

تخریج: صحيح مسلم، الإيمان، باب جامع أوصاف الإسلام، ح:٣٨.

شرح الالفاظ: [فِي الْإِسْلَامِ] اسلام کے بارے میں یعنی اسلامی احکام اور عقیدہ کے

متعلق۔ [قَوْلاً] "بات" یعنی ایسی جامع بات جو دینی احکام پر مشتمل اور اس قدر واضح ہو کہ اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہ ہو۔ [قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ] تو کہہ میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لایا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اپنے ایمان کی تجدید کیا کرو۔ دل اور زبان سے اس کا اقرار بھی کرتا رہ۔ [ثُمَّ اسْتَقِمْ] پھر اسی پر پکا ہو جا۔ یعنی شرعی احکام پر عمل اور احکام شرعیہ کی مخالفت سے اجتناب کرنے پر ثابت قدم رہ۔

تشریح: حضرت سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسول اللہ! مجھے اسلام کی بابت کوئی ایسی جامع بات فرمائیں کہ اسلام کا مفہوم واضح ہو جائے اور پھر کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے انتہائی جامع جواب فرمایا:

«قُلْ: آمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ»

"اٰمنت باللّٰہ کہنے کے بعد اس پر ثابت قدم رہ۔"

ایک محب صادق کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے شمار قسم کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کمالِ ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں آنے والے ان تمام صدمات کو برداشت کیا جائے اور انسان ایمان و اسلام پر ثابت قدم رہے۔ قرآن کریم میں ایسے لوگوں کے لیے بشارت ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُوا۟ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسْتَقَـٰمُوا۟ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٣﴾ أُو۟لَـٰٓئِكَ أَصْحَـٰبُ ٱلْجَنَّةِ خَـٰلِدِينَ فِيهَا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿١٤﴾ ﴾ (الأحقاف٤٦/ ١٣_١٤)

"بے شک جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے پھر وہ اسی پر ثابت قدم رہے ان پر قیامت کو کوئی خوف ہو گا نہ ہی وہ غمزدہ ہوں گے۔ ایسے لوگ جنتی ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور انہیں ان کے کئے ہوئے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔"

معلوم ہوا کہ قبولِ ایمان کے بعد استقامت کی بڑی اہمیت ہے اور یہ پورے دین کی روح رواں ہے اس کے بغیر مسلمان کی دینی و مذہبی زندگی بے روح اور بے کیف ہے بلکہ

انسان صراطِ مستقیم سے بھٹک بھی سکتا ہے۔

کسی کام میں مسلسل جدوجہد کرنا اور پوری توجہ سے مشغول رہنا استقلال و استقامت ہے۔ انسان جس چیز کو درست اور حق سمجھے اسے اختیار کرنا اور اس راہ میں جو مصائب آئیں انہیں برداشت کرنا اور جان تک کی پروا نہ کرنا اسے استقامت فی الدین والایمان کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں آنحضرت ﷺ کو بھی استقامت کی تلقین کی گئی ہے۔

﴿ فَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطۡغَوۡاْۚ إِنَّهُۥ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٞ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرۡكَنُوٓاْ إِلَى ٱلَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ ٱلنَّارُ وَمَا لَكُم مِّن دُونِ ٱللَّهِ مِنۡ أَوۡلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱۱۲-۱۱۳)

"آپ دین پر ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم دیا گیا ہے اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں اور وہ توبہ کر چکے ہیں وہ بھی دین پر ثابت قدم رہیں۔ اور حد سے تجاوز نہ کرو بے شک وہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے اور تم ان لوگوں کی طرف میلان نہ رکھو جو ظالم ہیں ورنہ تم جہنم کے مستحق ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی تمہارا مددگار ہو گا نہ تمہاری مدد کی جائے گی۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

﴿ فَلِذَٰلِكَ فَٱدۡعُۖ وَٱسۡتَقِمۡ كَمَآ أُمِرۡتَۖ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَآءَهُمۡۖ ﴾

(الشوریٰ ۴۲/ ۱۵)

"پس آپ لوگوں کو اسی دین کی طرف بلائیں اور خود بھی اس پر ثابت قدم رہیں جیسا کہ آپ کو حکم ہے اور آپ ان لوگوں کی خواہشات کی اتباع نہ کریں۔"

چنانچہ نبی ﷺ کو دین کی اشاعت و تبلیغ کے سلسلہ میں بہت سی تکالیف و مصائب کا سامنا کرنا پڑا' جب یہ واقعات پڑھے جائیں تو رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی رضا کی خاطر آپ نے انتہائی ثابت قدمی کا مظاہرہ فرمایا۔

کفار اور مشرکین نبی ﷺ کے ساتھ مل جانے اور ایمان قبول کرنے والوں کو بھی شدید تکالیف دیا کرتے تھے۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ان کا آقا امیہ گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتا اور

دہکتے کوئلوں پر کمر کے بل لٹا کر سینے پر وزنی پتھر رکھ دیتا اور مطالبہ کرتا کہ اسلام سے منحرف ہو جاؤ اور محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ دو مگر حضرت بلال رضی اللہ عنہ یہ سب کچھ برداشت کرتے اور زبان سے کلمہ توحید کا اقرار و اظہار کرتے رہتے۔

حضرت خباب رضی اللہ عنہ وغیرہ نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کے سامنے کفار کے ظلم و ستم کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ ہمارے لیے دعا فرمائیں گویا یہ ان مصائب پر پریشانی کا اظہار تھا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم سے پہلی امتوں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہیں ایمان قبول کرنے کی پاداش میں چیر کر دو ٹکڑے کر دیا گیا اور لوہے کی کنگھیوں سے ان کا گوشت نوچا گیا اس کے باوجود وہ لوگ دین پر پختہ رہے کیا تم ابھی سے گھبرا گئے ہو۔" (صحيح البخاري' الاكراه' باب من اختار الضرب والقتل والهوان على الكفر' ح:٦٩٤٣)

جب کوئی شخص صدق دل سے ایمان قبول کرتا ہے تو اسے تکالیف و مصائب کے لیے بھی تیار رہنا چاہیئے کیونکہ ایمان و اسلام کے نتیجے میں ملنے والی جزاء کوئی معمولی نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان لیتا اور خوب آزماتا ہے جو لوگ اس امتحان میں پورے اترتے ہیں پھر ان کے لیے ایسا ثواب اور بدلہ ہے جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا۟ ٱلْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ ٱلَّذِينَ خَلَوْا۟ مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ ٱلْبَأْسَآءُ وَٱلضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوا۟ حَتَّىٰ يَقُولَ ٱلرَّسُولُ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَعَهُۥ مَتَىٰ نَصْرُ ٱللَّهِ ۗ أَلَآ إِنَّ نَصْرَ ٱللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢١٤)

"کیا تم نے سمجھا ہے کہ تم جنت میں یوں ہی چلے جاؤ گے ابھی تک تم پر وہ احوال وارد نہیں ہوئے جو تم سے پہلے لوگوں پر آتے تھے انہیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے شمار تکلیفوں اور مصائب کا سامنا کرنا پڑا اور اس حد تک ایذا دی گئی کہ رسول اور اس کے ساتھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی؟ یاد رکھو! اللہ کی مدد قریب ہے۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ أَحَسِبَ ٱلنَّاسُ أَن يُتْرَكُوٓا۟ أَن يَقُولُوٓا۟ ءَامَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ﴿٢﴾ وَلَقَدْ فَتَنَّا

اَلَّذِينَ مِن قَبۡلِهِمۡۖ فَلَيَعۡلَمَنَّ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ صَدَقُواْ وَلَيَعۡلَمَنَّ ٱلۡكَٰذِبِينَ ﴿٣﴾
(العنکبوت۲۹/ ۲۔۳)

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ قَالُواْ رَبُّنَا ٱللَّهُ ثُمَّ ٱسۡتَقَٰمُواْ تَتَنَزَّلُ عَلَيۡهِمُ ٱلۡمَلَٰٓئِكَةُ أَلَّا تَخَافُواْ وَلَا تَحۡزَنُواْ وَأَبۡشِرُواْ بِٱلۡجَنَّةِ ٱلَّتِي كُنتُمۡ تُوعَدُونَ ﴿٣٠﴾ نَحۡنُ أَوۡلِيَآؤُكُمۡ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِۖ وَلَكُمۡ فِيهَا مَا تَشۡتَهِيٓ أَنفُسُكُمۡ وَلَكُمۡ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ ﴿٣١﴾ نُزُلٗا مِّنۡ غَفُورٖ رَّحِيمٖ ﴿٣٢﴾
(فصلت۴۱/ ۳۰۔۳۲)

"کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ انہیں ایمان قبول کرنے کے بعد یوں ہی چھوڑ دیا جائے گا اور ان کا امتحان نہیں لیا جائے گا۔ ہم نے ان سے پہلے لوگوں کو بھی آزمایا تھا اس طرح اللہ ظاہر کرے گا کہ دعویٰ ایمان میں کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں؟"

"بے شک جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کو مان لیا اور پھر اس پر پختہ ہو گئے تو ان پر فرشتے نازل ہو کر ان کی ڈھارس بندھاتے ہیں کہ خوف نہ کرو اور غمگین بھی نہ ہو تمہیں جنت کی بشارت ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے۔ دنیا و آخرت میں ہم تمہارے ساتھی ہیں اور تمہارے لیے وہاں دلخواہ اور دل پسند ہر قسم کی نعمتیں ہوں گی اللہ تعالیٰ مہربان بخشش کرنے والے کی طرف سے مہمانی ہو گی۔"

واقعہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ

صفر۴ ہجری میں حادثہ رجیع ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عضل اور قارہ کے لوگوں کی خواہش پر دس آدمیوں کو حضرت عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کی زیر امارت تبلیغ کے لیے روانہ فرمایا۔ مکہ اور عسفان کے درمیان بنی ہذیل کا ایک قبیلہ بنو لحیان رہتا تھا ان لوگوں نے بنو لحیان کو مسلمانوں پر چڑھا دیا۔ سات آدمی موقع پر شہید ہو گئے اور تین باقی بچ گئے۔ یہ تینوں جان کی امان کے وعدہ پر نیچے اتر آئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ ان میں سے ایک حضرت خبیب رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ کفار نے موقع پاتے ہی ان کے ہاتھ باندھ کر انہیں گرفتار کر لیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ یہ تمہاری بدعہدی ہے مگر ان کافروں نے پروا نہ کی، تین مسلمانوں میں سے ایک عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ اس بات کو گوارہ نہ کر سکا

اور احتجاج کرتے ہوئے لڑنے لگا اور اس نے مردانہ وار لڑ کر جان دے دی۔

اب دو آدمی باقی رہ گئے۔ مشرکین نے ان دونوں کو لے جا کر مکہ میں فروخت کر دیا۔ اس یوسف اسلام کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے خرید لیا۔ جسے غزوہ بدر میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ ہی نے قتل کیا تھا۔ عقبہ بن حارث نے انہیں گھر میں لا کر قید میں ڈال دیا۔ موہب کو نگرانی کے لیے مقرر کر دیا خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل میں مشرکین نے بڑا اہتمام کیا۔ حرم سے باہر تنعیم کے مقام پر ایک درخت پر سولی کا پھندا لٹکایا گیا۔ لوگوں کو جمع کیا گیا۔ جب وہ لوگ قتل کے لیے خبیب رضی اللہ عنہ کو لینے آئے تو فرمایا: ذرا ٹھہر جاؤ دو رکعت نماز پڑھ لوں جی تو زیادہ پڑھنے کو چاہتا ہے لیکن تم سمجھو گے کہ میں موت کے خوف سے بہانہ ڈھونڈ رہا ہوں۔ نماز سے فارغ ہو کر سوئے مقتل روانہ ہوئے آپ کی زبان پر دعا کے یہ الفاظ تھے۔

«اَللّٰهُمَّ أَحْصِهِمْ عَدَدًا، وَاقْتُلْهُمْ بَدَدًا، وَلاَ تُبْقِ مِنْهُمْ أَحَدًا

”یااللہ! تو انہیں شمار کر، ایک ایک کر کے انہیں قتل کر اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔“

مقتل کے قریب پہنچے تو یہ شعر پڑھے:

وَلَسْتُ أُبَالِي حِينَ أُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰى أَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِي
وَذٰلِكَ فِي ذَاتِ الإِلٰهِ وَإِنْ يَّشَأْ
يُبَارِكْ عَلٰى أَوْصَالِ شِلْوٍ مُّمَزَّعٍ»

(صحیح البخاری، الجهاد و السير، باب هل يستأسر الرجل ... ح۳۰۴۵)

”میں بحالت اسلام قتل ہو رہا ہوں۔ مجھے کوئی غم اور پروا نہیں کہ میں کس پہلو گرتا ہوں۔ میرے ساتھ یہ سلوک اللہ تعالیٰ کی وجہ سے ہو رہا ہے وہ چاہے تو کٹے ہوئے اعضا پر برکت نازل کر دے گا۔“

کئی ماہ قید میں رہے حرمت والے مہینے گزر گئے تو قتل کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے نگران سے تین باتوں کی درخواست کی تھی، آب شیریں پلانا، بتوں کے نام کا

ذبیحہ (حرام) نہ کھلانا اور قتل سے پہلے خبر کر دینا' آخری درخواست عقبہ کی بیوی سے بھی کی تھی۔ جب قتل کا پروگرام بنا تو اس نے آکر آگاہ کر دیا۔ خبیب رضی اللہ عنہ نے طہارت کے لئے استرا مانگا اس نے لا دیا۔ اس کا بچہ کھیلتا کھیلتا ان کے پاس چلا آیا۔ انہوں نے ازراہِ شفقت بچے کو اپنی ران پر بٹھا لیا۔ ماں کی نظر پڑی تو وہ گھبرا گئی کہ کہیں خبیب رضی اللہ عنہ عداوت و دشمنی میں ہمارے بچے کو نقصان نہ پہنچا دے وہ انتہائی پریشانی کے عالم میں گھبرائی ہوئی آئی۔ خبیب رضی اللہ عنہ ان کی پریشانی کی وجہ جان گئے۔ فرمایا: کیا تمہارا خیال ہے کہ میں اپنے خون کا بدلہ اس معصوم سے لوں گا؟ حاشا ہم ایسے نہیں کرتے۔ خبیب رضی اللہ عنہ کی باتوں کا اس پر خاصا اثر ہوا۔ وہ کہا کرتی تھی کہ میں نے خبیب رضی اللہ عنہ سے بہتر کسی قیدی کو نہیں دیکھا۔

اللہ تعالیٰ اس قید میں حضرت خبیب رضی اللہ عنہ پر خصوصی فضل فرماتا تھا۔ عقبہ کی بیوی ہی کا بیان ہے کہ میں نے بارہا ان کے ہاتھ میں انگور کا خوشہ دیکھا حالانکہ ان دنوں انگور کا موسم بھی نہ تھا اور وہ بندھے ہوئے تھے' کہیں جا سکتے تھے نہ کسی کو ان کے پاس آنے کی اجازت تھی۔ یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا رزق تھا جو خزانہ غیب سے انہیں ملتا تھا۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری رحمہ اللہ نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے الفاظ کا مفہوم یوں ادا کیا ہے۔

جب نکلتی ہے جان اسلام پر
تب نہیں پروا مجھ کو جان کی
کیوں نہ دوں کامل خوشی سے اپنی جاں
چاہیئے مجھ کو رضا رحمان کی
آرزو پنہاں میرے سینے میں تھی
اس دلِ مشتاق پُر ارمان کی
آنکھ کر لیتی زیارت وقتِ نزع
داعیٔ حق ہادیٔ ایمان کی
اے خدا پہنچا انہیں میرا سلام
جان جن پر میں نے بھی قربان کی

حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو جب سولی پر لٹکایا گیا تو ابوسفیان نے آپ سے کہا بتاؤ! اب تم پسند کرتے ہو کہ تمہاری جگہ یہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے اور تم بچ جاتے؟ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے انتہائی محبت سے فرمایا: اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان کے بدلے انہیں ایک کانٹا بھی چبھے۔ پھر لوگوں نے کہا تم اسلام چھوڑ دو تو تمہیں آزاد کر دیا جائے گا۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی قسم! اگر تم میرے سامنے ساری دنیا کی دولت بھی لا کر ڈھیر کر دو تب بھی اسلام نہیں چھوڑ سکتا۔

آخر عقبہ بن حارث اٹھا اور آپ کو شہید کر دیا۔ اس طرح اسلام کی تاریخ میں جرات و بسالت اور صبر و استقامت کا ایک شاندار نمونہ چھوڑ کر آپ اس عالم فانی سے رخصت ہوئے۔

یہ کیسا عجیب منظر تھا کہ ایک غریب الوطن فرزند پر کیسے ظلم ہو رہے تھے بطحائے کفر کا قاتل فرزند توحید کو کیسے بری طرح قتل کر رہا تھا لیکن یہ فرزند اسلام پیکر فرزند و رضا بنا ہوا بڑی خوشی و رضامندی کے ساتھ اپنے خالق کے نام پر جان دے رہا تھا۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حادثہ فاجعہ کی اطلاع وحی کے ذریعے ہوئی۔ تو فرمایا: خبیب! تجھ پر سلام اور پھر آپ نے عمرو بن ربیعہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اس شہید اسلام کی لاش کا پتہ چلانے کے لیے مکہ بھیجا۔ عمرو بن ربیعہ رات کے اندھیرے میں سولی کے پاس گئے، درخت پر چڑھ کر رسی کاٹی۔ جسد اطہر زمین پر گرا۔ نیچے آئے کہ اسے اٹھا لیں مگر یہ مقدس جسم زمین کے قابل نہ تھا۔ فرشتوں نے اسے اٹھا کر وہاں پہنچا دیا جہاں شہیدانِ وفا کی روحیں رہتی ہیں۔ عمرو بن ربیعہ رضی اللہ عنہ بڑے حیران ہوئے کہا: اسے زمین تو نہیں نگل گئی؟ (البدایة والنهایة، جزء ثالث ص:۶۹)

قتل کرتے وقت مشرکین نے انہیں قبلہ رخ نہ رکھا تھا لیکن جو چہرہ قبلہ کی طرف پھر چکا تھا وہ کسی دوسری طرف کیسے پھر سکتا تھا۔ مشرکین نے بار بار اسے دوسری طرف پھیرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔

سعید بن عامر رضی اللہ عنہ جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عمال میں سے تھے ان کا یہ حال تھا کہ

کبھی کبھی یکبارگی بے ہوش ہو جایا کرتے تھے۔ ان سے پوچھا گیا تو بولے مجھے کوئی مرض ہے نہ کوئی شکایت۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کے قتل کے موقع پر میں مجمع میں موجود تھا۔ مجھے جب وہ سارا واقعہ یاد آتا ہے تو فوراً بے ہوش ہو جاتا ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ ان کے علاوہ بھی کشتگانِ راہِ اسلام کے بہت سے واقعات ہیں۔ سب کا ذکر کرنا مزید طوالت کا باعث ہو گا۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے [إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَ قَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيْمَانِ] کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اسی طرح حضرت حبیب بن زید مازنی رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہے۔ الاستیعاب وغیرہ میں ان کے واقعے کی تفصیل مل سکتی ہے۔

اس ساری تفصیل سے معلوم ہوا کہ دین میں استقامت ہی سے اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند مقام اور مقبولیت مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو دین و ایمان پر استقامت نصیب فرمائے۔ (آمین)

۲۲۔ فرائض اور حلال و حرام کا التزام

عَنْ أَبِي عَبْدِاللهِ جَابِرِ بْنِ عَبْدِاللهِ الأَنْصَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا: أَنَّ رَجُلاً سَأَلَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَصُمْتُ رَمَضَانَ، وَأَحْلَلْتُ الْحَلاَلَ، وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ، وَلَمْ أَزِدْ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا، أَ أَدْخُلُ الْجَنَّةَ؟ قَالَ: «نَعَمْ» رواه مسلم «وَمَعْنٰى حَرَّمْتُ الْحَرَامَ: اجْتَنَبْتُهُ، وَمَعْنٰى أَحْلَلْتُ الْحَلاَلَ: فَعَلْتُهُ مُعْتَقِدًا حِلَّهُ»

ابو عبداللہ سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: فرمایئے! اگر میں (صرف) فرض نمازیں ادا کروں، (صرف) رمضان کے روزے رکھوں، حلال کو حلال اور حرام کو

حرام سمجھوں اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں تو کیا میں جنت میں جاسکوں گا؟

آپ نے فرمایا: ''ہاں''۔

[حَرَّمْتَ الْحَرَام] کا معنی ہے حرام سے اجتناب کروں اور [أَحْلَلْتُ الْحَلَالَ] کا معنی ہے کہ میں حلال کام کی حلت کا اعتقاد رکھتے ہوئے اس پر عمل کروں۔

تخریج: صحیح مسلم ' الایمان ' باب بیان الإیمان الذی یدخل به الجنة و أن من تمسك ما أمر به دخل الجنة ' ح:١٥

شرح الالفاظ: [أَنَّ رَجُلًا] اس شخص کا نام نعمان بن قوقل رضی اللہ عنہ ہے۔ بنوخزاعہ قبیلے سے تھے۔ انہوں نے غزوہ بدر میں شرکت کی اور غزوہ احد میں شہید ہوئے۔ [أَرَأَيْتَ] بتلائیے اور فتویٰ دیجئے۔ [الْمَكْتُوْبَات] پنجگانہ فرض نمازیں۔

تشریح: اس حدیث کی دوسری سند میں اس سائل کا نام نعمان بن قوقل ذکر ہوا ہے اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میں اگر صرف فرض نمازیں ادا کروں ' رمضان کے روزے رکھوں ' حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں اور اس سے زیادہ کوئی عمل نہ کروں تو کیا جنت میں جاؤں گا تو آپ نے فرمایا: کہ ہاں جو شخص صرف فرائض کا صحیح طور پر عامل ہو وہ جنت میں جائے گا۔

اہل علم نے بیان کیا ہے کہ صرف فرائض پر اکتفا کرنا اور نوافل کو ترک کر دینا اگرچہ جائز ہے تاہم نوافل و سنن کی ادائیگی کا خاص اہتمام کرنا چاہئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوافل و تطوع کا خاص اہتمام فرماتے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص کے فرائض میں کوئی کمی پائی گئی وہ نوافل کے ذریعہ سے پوری کی جائے گی۔ (ابوداود ' ح٨٦٦ و ابن ماجه ' ح ١٤٢٦)

اگر کوئی شخص تحقیر و استخفاف کی بنا پر سنت کو چھوڑے تو وہ کافر ٹھہرے گا۔ رسول اللہ نے اس سائل کو صرف ان فرائض پر عمل کرنے کی اجازت دے دی۔ شاید باقی احکامات اس وقت تک فرض نہ تھے یا آپ یہ جانتے تھے کہ یہ شخص اسلام پر راسخ ہونے کے بعد باقی احکامات پر خود بخود عمل کرے گا یا فرائض کے تابع سنن مؤکدہ انہی فرائض کا حصہ ہیں۔ ان سے الگ نہیں اور ان کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ واللہ اعلم۔

أَحْلَلْتُ الْحَلَالَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھوں۔ حلال کو حلال سمجھنا واجب ہے' البتہ حلال اشیاء کا استعمال اپنی مرضی پر موقوف ہے البتہ حلال میں سے جو امور واجب ہوں ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔اسی طرح حرام کو حرام سمجھنا اور اس سے مکمل اجتناب فرض ہے البتہ اضطرار کی صورت میں بعض امور مستثنیٰ ہیں۔

أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ "کیا میں جنت میں جاؤں گا؟" اس کا مقصد یہ تھا کہ صرف ان ارکان کے ادا کرنے کی صورت میں سیدھا جنت میں جاسکوں گا یا نہیں آپ نے فرمایا: ہاں۔ جب تم فرائض کی مکمل پابندی کرو' حلال کو اختیار کرو اور حرام سے اجتناب کرو گے تو جنت میں جاؤ گے۔ اس نے سن کر یہ کہا: ((وَاللّٰهِ لَا أَزِيْدُ عَلٰى ذٰلِكَ شَيْئًا)) "اللہ تعالیٰ کی قسم میں اس سے زیادہ کچھ نہ کروں گا۔"

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کو چاہیئے کہ دین کے ارکان و فرائض کو صحیح طور پر بجا لائیں۔ احکام الٰہی کو تسلیم کریں اور اطاعت الٰہی کا جذبہ دل میں پیدا کریں۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت اور دین پر عمل کا شوق دل میں پیدا ہو گا تو زیادہ سے زیادہ نوافل کی رغبت ہو ہی جاتی ہے۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے سائل کے جواب میں دین کے بنیادی امور ذکر فرمادیئے اور نوافل و سنن کا ذکر نہ فرمایا کہ جب اسلام اس کے قلب و ذہن میں راسخ ہو جائے گا تو اس کی طبیعت خود بخود باقی عبادات کی طرف بھی مائل ہو جائے گی۔

۲۳۔ وضو' ذکر' نماز' صدقہ' صبر اور قرآن کے فضائل

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الْحَارِثِ بْنِ عَاصِمٍ الْأَشْعَرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ: «**الطُّهُورُ شَطْرُ الْإِيمَانِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ، وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ مَا بَيْنَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ، وَالصَّلَاةُ**

نُورٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ، وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَّكَ أَوْ عَلَيْكَ، كُلُّ النَّاسِ يَغْدُو، فَبَائِعٌ نَفْسَهُ، فَمُعْتِقُهَا أَوْ مُوبِقُهَا» (رواه مسلم)

سیدنا ابو مالک حارث بن عاصم اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پاکیزگی نصف ایمان ہے' "الحمدللّٰہ" کا کلمہ ترازو کو بھر دے گا (یعنی نیکی کے پلڑے کو وزنی کرے گا) "سبحان اللّٰہ" اور "الحمدللّٰہ" یہ دونوں کلمے زمین و آسمان کے مابین خلا کو پر کرتے ہیں' نماز (نمازی کیلئے) نور ہے' صدقہ (صدقہ کرنے والے کیلئے ایمان کی) دلیل ہے' اور صبر (صبر کرنے والے کیلئے) روشنی ہے اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف دلیل ہو گا' ہر شخص روزانہ اپنا سودا کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں یا تو خود کو (جہنم سے) آزاد کرالیتا ہے یا خود کو تباہ کر بیٹھتا ہے۔

تخریج: صحيح مسلم، الطهارة، باب فضل الوضوء، ح: ۲۲۳.

شرح الالفاظ: [الطُّهُورُ] طا پر پیش: طہارت و پاکیزگی۔ طا پر زبر ہو تو اس کا معنی ہے وہ چیز جس کے ساتھ طہارت حاصل کی جائے۔ طہارت کا لغوی معنی ہے ظاہری اور باطنی' محسوس اور غیر محسوس' ہر قسم کی میل اور خرابی سے بچنا اور شرعاً عدم طہارت کے ازالہ یا محض ثواب کو بھی طہارت کہتے ہیں۔ [شَطْرُ الْإِيمَانِ] "شطر" نصف کو کہتے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ طہارت کا اجر و ثواب ایمان کے ثواب کے نصف تک جا پہنچتا ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے ایمان سے نماز مراد لی ہے اور انہوں نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے کہ نماز چونکہ طہارت کے بغیر درست نہیں ہوتی تو گویا یہ ایمان کا نصف ہے۔ مترجم کی رائے میں یہاں "شطر" کا معنی نصف کی بجائے "عظیم حصہ" بھی ہو سکتا ہے اور عربوں کے ہاں کسی چیز کے عظیم حصہ کو بھی "شطر" کہتے ہیں۔ ویسے یہ لفظ نصف کے معنی میں بھی مستعمل ہے۔ [وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَمْلَأُ الْمِيزَانَ] "الحمدللّٰہ" میزان اعمال کو بھر دے گا یعنی ان

الفاظ کو پڑھنا اور ان کے معنی کا ذہن میں مستحضر ہونا اس کا ثواب میزان کو وزنی کرے گا۔ انسان اپنے اختیار سے جو اچھے کام کرے' اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے تو اسے "حمد" کہتے ہیں اور میزان سے مراد وہ ترازو ہے جس میں قیامت کے روز اعمال کا وزن کیا جائے گا [سُبْحَانَ اللّٰهِ] اللہ تعالیٰ کو ان صفات سے منزہ سمجھنا جو اسے لائق نہیں۔ [وَالصَّلٰوۃُ نُوْرٌ] نماز نور یعنی نور کا سبب ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز مسلمان کے لیے دنیا اور آخرت میں اس کے راستے کو روشن کرنے والی ہے یا یہ مراد ہے کہ نمازی کے چہرے کو منور کرے گی۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوراً وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»(مسند أحمد بتحقيق الشيخ أحمد شاكر: ١٠/٨٣، ح: ٦٥٧٦ وصحيح ابن حبان(موارد الظمآن) ح: ١٤٦٧ والحديث صحيح)

"جو شخص نماز کی محافظت کرتا ہے تو روز قیامت نماز اس کے لیے نور' برہان اور نجات کا سبب ہو گی۔"

[وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ] صدقہ' صدقہ کرنے والے کے لیے ایمان کی برہان یعنی واضح اور قطعی دلیل ہے۔ [وَالصَّبْرُ ضِيَاءٌ] "صبر روشنی ہے" یعنی صبر کے ذریعے اندھیرے اور مشقتیں زائل ہو جاتی ہیں۔ [الْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ] یعنی اگر تو قرآنی احکام پر عمل کرے تو قرآن تیرے لیے حجت ہو گا اور تو اس کے انوار سے ہدایت پائے گا اور اگر تو اس کی منع کردہ اشیاء اور امور سے اجتناب نہ کرے اور اس کے احکام و حقوق کی ادائیگی سے اعراض کرے تو یہ تیرے خلاف حجت ہو گا۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لأَصْحَابِهِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، ح: ٨٠٤ وانظر صحيح الجامع الصغير، ح: ١١٦٥)

"قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو یہ قیامت کو تلاوت کرنے والوں کے حق میں سفارش کرے گا۔"

[يَغْدُوْ] رزق کی کوشش کرتے ہوئے صبح کرتا ہے۔ [فَبَايِعٌ نَفْسَهُ] اپنے آپ کو بیچتا ہے۔ یعنی ایسے عمل کرتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور عتاب سے محفوظ رکھتے ہیں۔ [فَمُعْتِقُهَا] اپنے آپ کو آزاد کرتا ہے یعنی عذاب سے بچالیتا ہے۔ [أَوْ مُوبِقُهَا] معاصی کا ارتکاب کرکے اپنے آپ کو ہلاک و تباہ کرلیتا ہے۔

تشریح: اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے متعدد چیزوں کا بیان فرمایا ہے۔ ① طہارت ② ذکر الٰہی ③ نماز ④ صدقہ ⑤ صبر ⑥ قرآن کریم۔

طہارت

[اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِيْمَانِ] پاکیزگی نصف ایمان ہے۔ "الطهور" کے لفظ میں طا مضموم ہے اور یہ مصدر ہے "الطهور" طا پر زبر ہو تو اس سے وہ چیز مراد ہوتی ہے جس سے طہارت کی جائے یعنی پاکیزگی حاصل کی جائے۔

اسلام دین فطرت ہے اس لیے طہارت پر بہت زور دیتا ہے۔ طہارت جسم کی ہو یا لباس کی، جگہ کی ہو یا روح کی، ظاہری صفائی باطن پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک شخص آپ کی خدمت میں آیا تو اس کے کپڑے میلے اور بال پراگندہ تھے آپ نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا مجھے سادگی پسند ہے۔ آپ نے فرمایا: یہ کوئی سادگی نہیں سادگی میں بھی صفائی ہوتی ہے۔ صحابہ کرام اونی لباس استعمال کرتے تھے جمعہ کے روز گرمی کے موسم میں پسینہ آتا تو مسجد میں بُو پھیل جاتی، نمازیوں کو تکلیف ہوتی۔ آپ نے انہیں حکم دیا کہ جمعہ کے دن نہا دھو کر اجلا لباس پہن کر آیا کریں۔

اسی لیے کچا پیاز، لہسن اور گندنا وغیرہ بدبو دار چیزیں کھا کر مسجد میں آنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ اس سے نمازیوں اور فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ طہارت کی اہمیت کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو بھی حکم فرمایا:

﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝٤ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝٥﴾ (المدثر ۷۴/ ۴_۵)

"اپنے کپڑے صاف رکھیں اور نجاست سے دور رہیں۔"

طہارت رکھنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝٢٢٢﴾ (البقرة۲/ ۲۲۲)

"بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور صاف رہنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔"

اہل قباء کا رواج تھا کہ وہ پانی سے استنجاء کرتے تھے تاکہ خوب نظافت و صفائی ہو سکے۔ (جامع الترمذی' تفسیر القرآن' ح:۳۱۰۰) اللہ تعالیٰ کو ان کا یہ عمل پسند آیا تو قرآن کریم میں ان کی مدح بایں الفاظ فرمائی۔

﴿ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ أَن يَتَطَهَّرُوا۟ ۚ وَٱللَّهُ يُحِبُّ ٱلْمُطَّهِّرِينَ ﴿١٠٨﴾ ﴾ (التوبة۹/ ۱۰۸)

"قباء میں ایسے لوگ ہیں جو انتہائی نظافت پسند ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی نظیف لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔"

طہارت و نظافت کی اہمیت کی بناء پر اس حدیث میں آپ نے فرمایا:

«اَلطُّهُورُ شَطْرُ الإِيمَانِ»

"صفائی اور طہارت نصف ایمان ہے یا ایمان کا عظیم جزء ہے۔"

ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ تُقْبَلُ صَلاَةٌ بِغَيْرِ طُهُورٍ وَلاَ صَدَقَةٌ مِّنْ غُلُولٍ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب وجوب الطهارة، ح:۲۲٤)

"وضو کے بغیر نماز قبول ہوتی ہے نہ خیانت کے مال سے صدقہ۔"

جو شخص سنت رسول کے مطابق صحیح وضو کر کے نماز ادا کرے اس کے سابقہ سارے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پانی منگوا کر لوگوں کو وضو کر کے دکھایا اور فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح وضو کیا کرتے تھے پھر فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ تَوَضَّأَ نَحْوَ وُضُوئِي هٰذَا ثُمَّ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ لاَ يُحَدِّثُ فِيهِمَا نَفْسَهُ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح مسلم، الطهارة، باب صفة الوضوء وكماله، ح:۲۲٦)

"جو شخص میری طرح وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور وہ ان میں اپنے دل سے

گفتگو نہ کرے تو اس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔"

ذکر الٰہی

اس کے بعد آپ نے ذکر الٰہی کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "الحمدللّٰہ" کا کلمہ میزان کو بھر دے گا۔ " سُبْحَانَ اللّٰہِ اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ " زمین و آسمان کے مابین خلا کو بھر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَلَذِكْرُ ٱللَّهِ أَكْبَرُ ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٤٥)

"اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی چیز ہے۔"

﴿ فَٱذْكُرُونِىٓ أَذْكُرْكُمْ ﴾ (البقرة٢/ ١٥٢)

"تم میرا ذکر کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔"

﴿ أَلَا بِذِكْرِ ٱللَّهِ تَطْمَئِنُّ ٱلْقُلُوبُ ﴿٢٨﴾ ﴾ (الرعد١٣/ ٢٨)

"خبردار! اللہ تعالیٰ کی یاد سے دلوں کو سکون نصیب ہوتا ہے۔"

ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لاَ يَذْكُرُ رَبَّهُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ»

(صحيح البخاري، الدعوات، باب فضل ذكر الله، ح:٦٤٠٧)

"اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والے کی مثال زندہ کی سی اور اسے یاد نہ کرنے والے کی مثال مردہ کی سی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا بھی ایک صدقہ ہے صحیح مسلم کے حوالے سے آگے (حدیث:۲۵) آ رہی ہے کہ کچھ لوگوں نے آکر نبی ﷺ سے کہا' یارسول اللہ! اصحاب ثروت اجر و ثواب میں ہم سے سبقت لے گئے وہ ہماری طرح نماز پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں البتہ ان کے پاس مال ہے وہ صدقہ کرتے ہیں ہم صدقہ نہیں کر سکتے۔ تو آپ نے فرمایا: تمہیں سُبْحَانَ اللّٰہ' اَللّٰهُ اَکْبَر' اَلْحَمْدُلِلّٰہِ اور لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہ وغیرہ پڑھنے پر صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔

دوسری حدیث میں ہے کہ نادار صحابہ نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا کہ صاحب ثروت صحابہ ہماری طرح نماز پڑھتے' روزہ رکھتے اور دیگر عبادات بجا لاتے ہیں البتہ وہ

صدقہ بھی کرتے ہیں ہم اس کی استطاعت نہیں رکھتے آپ نے فرمایا:

"کیا میں تمھیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں جب تم وہ کرو گے تو تم آگے جانے والوں کو جا ملو گے اور بعد والوں کو بہت پیچھے چھوڑ دو گے۔ تم ہر نماز کے بعد سبحان اللہ' الحمد للہ ۳۳ ۳۳ دفعہ اور اللہ اکبر ۳۴ مرتبہ کہا کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دو آسان عمل ایسے ہیں کہ جو مسلمان ان پر کاربند ہو جنت میں جائے گا مگر عمل کرنے والے بہت قلیل ہیں۔ ایک عمل یہ ہے کہ ہر نماز کے بعد "سبحان اللہ' اللہ اکبر اور الحمدللہ دس دس بار کہا جائے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ یہ زبان پر صرف ڈیڑھ سو کلمے ہیں لیکن میزان میں پندرہ سو ہوں گے۔

آپ نے فرمایا دوسرا عمل یہ ہے کہ رات کو جب بستر پر آئے تو "سبحان اللہ ۳۳ بار الحمدللہ ۳۳ بار اور اللہ اکبر ۳۴" بار کہے۔ یہ زبان پر سو کلمے ہوں گے اور میزان میں ایک ہزار۔ تم میں سے کون روزانہ پچّیس سو گناہ کرتا ہے؟

صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ انسان ان پر مداومت کیسے نہیں کرتا؟ فرمایا بندہ جب نماز میں ہوتا ہے تو شیطان اسے مختلف کام یاد کرا دیتا ہے اسی طرح جب وہ بستر پر آئے تو اسے مختلف خیالات اور وسوسوں کے بعد غافل کر کے سلا دیتا ہے اور وہ سو جاتا ہے۔ (سنن أبی داود' الادب' باب التسبیح عند النوم' حدیث ۵۰۶۵ و جامع الترمذی' الدعوات ۳۴۱۰ و سنن ابن ماجه' ابواب إقامة الصلوات' باب ما یقال بعد التسلیم' حدیث :۹۲۶ والحدیث صحیح)

(۴۳) نماز | نماز دین کا بنیادی رکن ہے آنحضرت ﷺ نے نماز کو اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل قرار دیا ہے۔ نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔

﴿ إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنْهَىٰ عَنِ ٱلْفَحْشَآءِ وَٱلْمُنكَرِ ﴾ (العنکبوت۲۹/ ٤٥)

"بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے۔"

ایک حدیث میں ہے:

«مَنْ حَافَظَ عَلَيْهَا كَانَتْ لَهُ نُوراً وَّبُرْهَانًا وَّنَجَاةً يَّوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَّمْ يُحَافِظْ عَلَيْهَا لَمْ تَكُنْ لَّهُ نُوراً»(مسند أحمد بتحقيق الشيخ أحمد شاكر: ١٠/ ٨٣، ح: ٦٥٧٦ وصحيح ابن حبان: ١٤٦٧)

"جو شخص نماز کی محافظت کرے تو یہ اس کے لیے نور' ایمان کی دلیل اور قیامت کے دن ذریعہ نجات ہوگی اور جو نماز کی محافظت نہ کرے یہ اس کیلئے نور ثابت نہ ہوگی۔"

(۴) صدقہ | آپ نے صدقہ کی اہمیت و فضیلت کے بارے میں فرمایا:

«اَلصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ»

"صدقہ 'صدقہ کرنے والے کے ایمان کی دلیل ہے۔"

اسلام میں صدقہ کی بڑی اہمیت ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو حکم فرمایا:

﴿ خُذْ مِنْ أَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيهِم بِهَا﴾ (التوبة۹/ ۱۰۳)

"آپ ان سے ان کے اموال میں سے صدقہ لے کر انہیں پاک وصاف کریں۔"

آپ نے فرمایا:

«وَالصَّدَقَةُ تُطْفِيءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِيءُ الْمَاءُ النَّارَ»(جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح: ٢٦١٦)

"صدقہ گناہوں کو اس طرح مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔"

صدقہ جب خلوص اور محض رضائے الٰہی کے لیے کیا جائے تو معمولی صدقہ بھی انسان کی نجات کا سبب بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا:

«اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ» (صحيح البخاري، الزكاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، ح: ١٤١٧ وصحيح مسلم، الزكاة، باب الحث على الصدقة . . .، ح: ١٠١٦)

"صدقہ کر کے جہنم سے بچ جاؤ خواہ ایک کھجور ہی ہو۔"

«مَا نَقَصَتْ صَدَقَةٌ مِّنْ مَّالٍ»(صحيح مسلم، البر والصلة، باب استحباب العفو والتواضع، ح: ٢٥٨٨)

"صدقہ مال کو کم نہیں کرتا۔"

(۵) صبر آپ نے فرمایا ((أَلصَّبْرُ ضِيَاءٌ)) "صبر روشنی ہے۔" صبر کا مطلب ہے گناہوں سے باز رہنا۔ عبادت پر صبر کا مطلب ہے کہ عبادت کو دوام کے ساتھ کیا جائے۔ مصائب و آلام کو برداشت کرنا اور جزع فزع نہ کرنے کو بھی صبر کہا جاتا ہے۔ مصیبت یا پریشانی آئے تو صبر کرنا چاہیئے۔ صبر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں خوشخبری ہے۔ فرمایا:

﴿ وَبَشِّرِ ٱلصَّٰبِرِينَ ﴿١٥٥﴾ ٱلَّذِينَ إِذَآ أَصَٰبَتۡهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوٓاْ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّآ إِلَيۡهِ رَٰجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۱۵۵-۱۵۶)

"آپ صبر کرنے والوں کو خوشخبری دیں۔ جنہیں جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن پڑھ کر خاموش رہتے ہیں۔"

صبر کی تین قسمیں ہیں:

۱. أَلصَّبْرُ عَلَى الطَّاعَةِ: اطاعت پر استقامت اختیار کرنا۔
۲. أَلصَّبْرُ عَنِ الْمَعْصِيَةِ: گناہ اور برائی سے باز رہنا۔
۳. أَلصَّبْرُ فِي الْمُصِيبَةِ: تکلیف اور مصیبت کے وقت جزع فزع نہ کرنا۔

(٦) قرآن کریم ﴿ وَالْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَكَ أَوْ عَلَيْكَ ﴾ "اور قرآن تمہارے حق میں یا تمہارے خلاف حجت ہو گا۔"

جو شخص قرآن کریم کو پڑھے، سمجھے اور اس کے احکام کی پابندی کرے تو یقیناً یہ قرآن اس شخص کے حق میں حجت اور فلاح و نجات کی دلیل ہے اور جو شخص اس کی پروا نہ کرے، غفلت کا شکار ہو، اور اس کے احکام کے خلاف زندگی گزارتا ہو تو ظاہر ہے کہ یہ قرآن اس کے خلاف حجت ہو گا۔ ایسے لوگوں کے خلاف خود رسول اکرم ﷺ، اللہ تعالیٰ کے ہاں مقدمہ دائر کرتے ہوئے فرمائیں گے:

﴿ يَٰرَبِّ إِنَّ قَوۡمِي ٱتَّخَذُواْ هَٰذَا ٱلۡقُرۡءَانَ مَهۡجُورٗا ﴿٣٠﴾ ﴾ (الفرقان۲۵/ ۳۰)

"یا اللہ! میری امت کے ان لوگوں نے قرآن کو چھوڑ دیا تھا۔"

ایک حدیث میں آپ نے فرمایا:

«اِقْرَأُوا الْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لأَصْحَابِهِ»(صحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن وسورة البقرة، ح: ٨٠٤)

"قرآن مجید پڑھا کرو کیونکہ یہ قرآن صاحب قرآن کے لیے قیامت کے روز سفارشی بن کر آئے گا۔"

«اَلصِّيَامُ وَالْقُرْآنُ يَشْفَعَانِ لِلْعَبْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُولُ الصِّيَامُ: أَيْ رَبِّ! مَنَعْتُهُ الطَّعَامَ وَالشَّهْوَةَ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، وَيَقُولُ الْقُرْآنُ: مَنَعْتُهُ النَّوْمَ بِاللَّيْلِ فَشَفِّعْنِي فِيهِ، قَالَ فَيُشَفَّعَانِ»(مسند أحمد بتحقيق الشيخ أحمد شاكر: ١١٨/١٠، ح: ٦٦٢٦ والمستدرك للحاكم: ١/ ٥٥٤)

"روزہ اور قرآن بندے کے حق میں سفارش کریں گے۔ روزہ کہے گا یااللہ! میں نے اسے (دن کے وقت) کھانے پینے اور شہوات سے روکے رکھا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما۔ اور قرآن کہے گا یااللہ میں نے اسے رات کو نیند سے روکے رکھا اس کے حق میں میری سفارش قبول فرما چنانچہ دونوں کی سفارش قبول ہوگی۔"

آخر میں آپ نے فرمایا کہ ہر شخص محنت و کوشش کر رہا ہے۔ اور اپنے نفس کا سودا کر رہا ہے کوئی نیکی کر کے اسے آزاد کر رہا ہے اور کوئی گناہ کر کے اسے ہلاک کر رہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کسی نہ کسی کوشش میں مصروف ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ کا مطیع اور فرمانبردار ہے تو اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے بچا لیتا ہے اور اگر اس کا نافرمان ہے تو اپنے آپ کو ہلاکت' تباہی اور بربادی کے گڑھے میں دھکیل رہا ہے۔

۲۴۔ حرمت ظلم اور حقیقت توحید

عَنْ أَبِي ذَرٍّ الغِفَارِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيمَا يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ، أَنَّهُ قَالَ: «يَاعِبَادِي! إِنِّي حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلَى نَفْسِي، وَجَعَلْتُهُ بَيْنَكُمْ مُحَرَّمًا،

فَلاَ تَظَالَمُوا، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلاَّ مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ جَائِعٌ إِلاَّ مَنْ أَطْعَمْتُهُ، فَاسْتَطْعِمُونِي أُطْعِمْكُمْ، يَاعِبَادِي! كُلُّكُمْ عَارٍ إِلاَّ مَنْ كَسَوْتُهُ، فَاسْتَكْسُونِي أَكْسُكُمْ، يَاعِبَادِي! إِنَّكُمْ تُخْطِئُونَ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ، وَأَنَا أَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا، فَاسْتَغْفِرُونِي أَغْفِرْلَكُمْ، يَاعِبَادِي! إِنَّكُم لَنْ تَبْلُغُوا ضَرِّي فَتَضُرُّونِي، وَلَنْ تَبْلُغُوا نَفْعِي فَتَنْفَعُونِي، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، كَانُوا عَلٰى أَتْقٰى قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا زَادَ ذٰلِكَ فِي مُلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِي! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ كَانُوا عَلٰى أَفْجَرِ قَلْبِ رَجُلٍ وَّاحِدٍ مِّنْكُمْ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِنْ مُّلْكِي شَيْئًا، يَاعِبَادِيْ! لَوْ أَنَّ أَوَّلَكُمْ وَآخِرَكُمْ، وَإِنْسَكُمْ وَجِنَّكُمْ، قَامُوا فِي صَعِيدٍ وَّاحِدٍ فَسَأَلُونِي، فَأَعْطَيْتُ كُلَّ إِنْسَانٍ مَّسْأَلَتَهُ، مَا نَقَصَ ذٰلِكَ مِمَّا عِنْدِي إِلاَّ كَمَا يَنْقُصُ الْمِخْيَطُ إِذَا أُدْخِلَ الْبَحْرَ، يَاعِبَادِي! إِنَّمَا هِيَ أَعْمَالُكُمْ أُحْصِيهَا لَكُمْ، ثُمَّ أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا، فَمَنْ وَّجَدَ خَيْرًا فَلْيَحْمَدِ اللهَ، وَمَنْ وَّجَدَ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلاَ يَلُومَنَّ إِلاَّ نَفْسَهُ»(رواہ مسلم)

سیدنا ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث قدسی روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرے بندو! میں نے اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے کہ کسی پر ظلم کروں اور میں نے اسے تمہارے درمیان بھی حرام کر دیا ہے لہٰذا تم ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو

سوائے اس کے جسے میں ہدایت دوں پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو میں تمہیں ضرور ہدایت دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک بھوکا ہے سوائے اس کے جسے میں کھانا دوں تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں ضرور کھانا دوں گا۔ میرے بندو! تم میں سے ہر ایک ننگا ہے سوائے اس کے جسے میں لباس پہناؤں تم مجھ سے لباس طلب کرو میں تمہیں لباس دوں گا۔ میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو میں تمام گناہ معاف کرنے والا ہوں تم مجھ سے مغفرت طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا۔ میرے بندو! تم مجھے کچھ نقصان پہنچا سکتے ہو نہ فائدہ۔ میرے بندو! تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن' سب کے سب نیک ترین بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں بالکل اضافہ نہ ہو گا۔ میرے بندو! اگر تم میں سے اگلے پچھلے انسان اور جن' بد ترین بن جائیں تو اس سے میری حکومت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔ میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے انسان اور جن' تمام کے تمام کھلے میدان میں کھڑے ہو کر مجھ سے مانگیں اور میں ہر ایک کو اس کے مانگنے کے مطابق دیتا جاؤں تو اس سے میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آتی ہے جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکالنے سے سمندر میں کمی آتی ہے۔ میرے بندو! میں تمہارے اعمال کو محفوظ کر رہا ہوں تمہیں ان کی پوری پوری جزا دوں گا پس جو شخص اچھا نتیجہ پائے وہ اللہ تعالیٰ کی حمد کرے اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ صرف اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

تخریج : صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم الظلم، ح: ٢٥٧٧ .

شرح الالفاظ : [حَرَّمْتُ الظُّلْمَ] میں نے ظلم حرام کر رکھا ہے۔ لغوی طور پر کسی چیز کو اس کے اصل مقام پر نہ رکھنا' ظلم کہلاتا ہے۔ اس ظلم سے مراد حد سے تجاوز اور لوگوں کے

بارے میں ناجائز تصرف ہے اور یہ کلام' اللہ تعالیٰ کے بارے میں ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ظلم کو حرام قرار دینے کا مطلب ہے کہ یہ اللہ کے قانون عدل کے خلاف ہے۔ [ضَالٌ] گمراہ یعنی رسولوں کی آمد سے قبل دین سے لاعلم اور ناواقف۔ [إِلاَّ مَنْ هَدَيْتُهُ] سوائے ان لوگوں کے جنہیں میں انبیاء و رسل کی لائی ہوئی شریعت پر ایمان لانے کی توفیق اور حق کے بارے میں غور کرنے کی راہ دکھاؤں۔ [فَاسْتَهْدُونِيْ] مجھ سے ہدایت طلب کرو یعنی مجھ سے حق کے راستہ کی راہنمائی طلب کرو۔ [فِيْ صَعِيْدٍ] کھلے میدان میں۔ [المِخْيَط] سوئی [أُوَفِّيكُمْ إِيَّاهَا] آخرت میں ان کی پوری پوری جزا دوں گا۔

تشریح: حدیث قدسی: "اہل علم کی اصطلاح میں حدیث قدسی وہ ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کسی بات کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہوئے روایت کریں۔ ایسی حدیث کے معنی و مفہوم بقول بعض اللہ تعالیٰ کے ہوتے ہیں اور روایت رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں۔

قرآن کریم اور حدیث قدسی میں متعدد وجوہ سے فرق ہے۔

قرآن مجید	حدیث قدسی
① قرآن مجید حضرت جبریل کے توسط ہی سے آنحضرت ﷺ پر نازل ہوا۔	حدیث قدسی کبھی بذریعہ الہام یا خواب بھی آپ تک پہنچتی رہی۔
② قرآن کریم کے لئے بنقل متواتر منقول ہونا شرط ہے۔	حدیث قدسی کے لئے بنقل متواتر منقول ہونا شرط نہیں۔
③ قرآن کریم میں تحدی اور چیلنج پایا جاتا ہے۔	حدیث قدسی میں تحدی اور چیلنج نہیں پایا جاتا۔
④ قرآن کی نماز میں تلاوت کی جاتی ہے۔	حدیث قدسی کی نماز میں تلاوت نہیں کی
⑤ قرآن کریم کے ایک جملہ کو آیت اور مجموعہ آیات کو سورت کہا جاتا ہے۔	حدیث قدسی کے کسی جملے کو آیت یا جملوں کو سورت نہیں کہا جاتا۔
⑥ قرآن کریم کی تلاوت کرنے پر ایک ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملتی ہیں۔	یہ ثواب حدیث قدسی کی تلاوت و قراءت پر نہیں۔

کتب احادیث میں احادیث قدسیہ کی کافی تعداد موجود ہے۔

محدثین نے احادیث قدسیہ کو مستقل کتابوں اور مجموعوں میں بھی جمع کیا ہے ان میں سے ایک مشہور کتاب علامہ عبدالرؤف المناوی کی ہے۔ اس کا نام "الاتحافات السنية في الاحاديث القدسية" ہے اس میں (۱۵۶) احادیث ہیں۔

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو خطاب کرتے ہوئے مختلف باتوں کی تلقین فرمائی۔

(۱) حرمت ظلم

اللہ تعالیٰ بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ اس نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کر لیا ہے۔ قرآن کریم میں اس کا کئی دفعہ ذکر ہوا ہے۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ كَتَبَ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ ﴾ (الأنعام٦/ ١٢)

"اس (اللہ تعالیٰ) نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کیا ہے۔"

﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ ٱلرَّحْمَةَ ﴾ (الأنعام٦/ ٥٤)

"تمہارے رب نے رحم کرنا اپنے اوپر فرض کیا ہے۔"

﴿ وَرَبُّكَ ٱلْغَنِيُّ ذُو ٱلرَّحْمَةِ ﴾ (الأنعام٦/ ١٣٣)

"اور تمہارا رب لوگوں سے مستغنی اور رحمت والا ہے۔"

﴿ فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَٰسِعَةٍ ﴾ (الأنعام٦/ ١٤٧)

"اگر یہ لوگ آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ چونکہ ازحد مہربان' رحیم و شفیق ہے اس لیے وہ کسی پر ظلم و زیادتی نہیں کرتا۔

﴿ وَوُضِعَ ٱلْكِتَٰبُ فَتَرَى ٱلْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَٰوَيْلَتَنَا مَالِ هَٰذَا ٱلْكِتَٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّآ أَحْصَىٰهَا ۚ وَوَجَدُوا۟ مَا عَمِلُوا۟ حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا ﴿٤٩﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ٤٩)

"قیامت کے دن ہر شخص کا نامۂ اعمال اس کے سامنے رکھ دیا جائے گا مجرمین اس میں درج اعمال سے خوف کھائیں گے اور کہیں گے ہائے افسوس! اس کتاب کو کیا ہے؟ (یہ کیسی کتاب ہے؟) کہ اس نے کوئی عمل بھی نہیں چھوڑا سب اس میں درج ہے۔

یہ لوگ جو کچھ دنیا میں کر چکے وہ سب وہاں موجود پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہ کرے گا۔"

﴿ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝٧ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝٨ ﴾ (الزلزال۹۹/ ۷۔۸)

"جو شخص ایک ذرہ برابر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا اور جس نے ایک ذرہ برابر برائی کی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔"

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ۝٤٠ ﴾ (النساء٤/ ٤٠)

"بے شک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرے گا اگر کسی کی ایک نیکی بھی ہوئی تو اللہ تعالیٰ اسے بڑھادے گا اور اپنی طرف سے اجر عظیم عطا کرے گا۔"

﴿ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ ٱللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ۝١٨٢ ﴾

(آل عمران۳/ ۱۸۲)

"یہ سب تمہارے اعمال کے سبب ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں پر زیادتی نہیں کرتا۔"

﴿ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَظْلِمُ ٱلنَّاسَ شَيْـًٔا وَلَٰكِنَّ ٱلنَّاسَ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ۝٤٤ ﴾

(یونس۱۰/ ٤٤)

"بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا لیکن یہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔"

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝٤٩ ﴾ (النساء٤/ ٤٩)

"اور ان پر بالکل ظلم نہ کیا جائے گا۔"

﴿ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ۝١٢٤ ﴾ (النساء٤/ ١٢٤)

"اور ان پر معمولی سا بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔"

ان تمام آیات سے بخوبی واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں فرماتا۔ اسی لئے اس نے حکم دیا ہے کہ تم آپس میں بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو دنیا میں کسی کا کسی پر ظلم کرنا قیامت

کے روز اندھیروں کا سبب ہو گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلظُّلْمُ ظُلُمَاتٌ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» (صحيح البخاري، المظالم، باب الظلم ظلمات يوم القيامة، ح: ٢٤٤٧ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الظلم، ح: ٢٥٧٩)

"دنیا میں کیا ہوا ظلم قیامت کو ظلمات (اندھیروں) کا سبب ہے۔"

جو شخص دنیا میں کسی پر ظلم کرتا ہے قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں لے کر مظلوم کو دی جائیں گی اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو مظلوم کے گناہ اس ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "جس نے کسی پر ظلم کیا ہو تو آج معاف کرا لے قیامت کے دن کسی کے پاس درہم ہوں گے نہ دینار۔ اگر ظالم کے نامہ اعمال میں نیک اعمال ہوئے تو اس کے ظلم کے برابر وہ لیے جائیں گے اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوئیں تو مظلوم کے گناہ اس کے ذمہ ڈال دیئے جائیں گے۔" (صحیح بخاری' المظالم' باب من كانت له مظلمة عندالرجل فحللهاله .....' ح :۲۴۴۹)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا: "کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟" صحابہ نے کہا: ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار نہ ہوں۔ آپ نے فرمایا: میری امت کا مفلس وہ ہے جو دنیا میں نماز' روزہ اور زکوٰۃ وغیرہ جیسی نیکیاں کر کے قیامت کے دن آئے گا تو ان اعمال کے ساتھ ساتھ اس نے لوگوں پر زیادتیاں بھی کی ہوں گی کسی کو گالی دی ہو گی' کسی پر الزام لگایا ہو گا' کسی کا مال کھایا ہو گا' کسی کا ناحق خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا ہو گا' تو ان تمام مظلوموں کو باری باری اس کی نیکیاں ظلم کے بدلے دی جائیں گی۔ اگر حقوق پورے ہونے سے پہلے اس کی حسنات ختم ہو گئیں تو مظلوموں کے گناہ اس کے ذمے ڈال دیئے جائیں گے اور پھر یہ ان تمام گناہوں کے سبب جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم' البر والصلة باب تحريم الظلم' ح :۲۵۸۱)

(۲) ہدایت

اس حدیث میں دوسری بات یہ بیان فرمائی گئی کہ میرے بندو! تم سب گمراہ ہو صرف وہ لوگ ہدایت پر ہیں جنہیں میں ہدایت دوں' پس تم مجھ سے ہدایت طلب کیا کرو' میں تمہیں ہدایت دوں گا۔ گویا ہدایت و راہنمائی کا مالک و مختار بھی اللہ

ہے اسی سے ہدایت طلب کرنی چاہیئے۔ اسی لیے بندوں کو نماز کی ہر رکعت میں یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

﴿ اَهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ۝٦ ﴾ (الفاتحة١/ ٦)

"یااللہ! ہمیں صراطِ مستقیم کی راہنمائی فرما۔"

انبیاء علیہم السلام کو بھی اللہ تعالیٰ ہی ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم' اسحاق' یعقوب' نوح' داود' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ' ہارون' زکریا' یحییٰ عیسیٰ' الیاس 'یسع' اور لوط علیہم السلام کے اسمائے گرامی ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ۝٨٧ ﴾ (الأنعام٦/ ٨٧)

"ہم نے ان سب کو چنا اور صراط مستقیم کی راہنمائی کی۔"

ہدایت اسی کو مل سکتی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

﴿ وَمَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ فَلَن تَجِدَ لَهُمْ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِهِ ۖ ﴾

(الاسراء١٧/ ٩٧)

"ہدایت یافتہ وہی ہے جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے اور وہ جسے گمراہ کرے تم اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوست اور مددگار نہ پاؤ گے۔"

﴿ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ ۚ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝٥٦ ﴾ (القصص٢٨/ ٥٦)

"آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے اور وہی ہدایت والوں کو بہتر جانتا ہے۔"

جسے اللہ تعالیٰ ہدایت کی توفیق دے اسے چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔

﴿ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ ﴾

(الأعراف٧/ ٤٣)

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے ہمیں اس (اسلام) کی ہدایت دی۔ وہ اگر ہدایت نہ دیتا تو ہم ہدایت پر نہیں آسکتے تھے۔"

ہدایت مل جانے کے بعد یہ دعا بھی کرتے رہنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر قائم رکھے اور اس سے محروم نہ کر دے۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ (آل عمران۳/ ۸)

"اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اب ہمارے دلوں کو اس سے موڑ نہ دینا۔"

چونکہ ہدایت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے وہ جسے چاہے ہدایت کی توفیق دیتا ہے۔ اس لئے اس حدیث میں فرمایا: "میرے بندو! تم سب گمراہ ہو' سوائے ان کے جنہیں میں ہدایت دوں تم سب مجھ سے ہدایت طلب کرو۔ میں تمہیں ہدایت دوں گا۔"

(۳) رزق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندو! تم بھوکے ہو' سوائے اس کے جسے میں کھانا دوں۔ تم مجھ سے کھانا مانگو میں تمہیں کھانا دوں گا۔

اس حصہ میں رزق و روزی کے متعلق فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اس لیے رزق اور روزی کی درخواست اللہ تعالیٰ سے کرنی چاہیئے۔

اللہ تعالیٰ کا ایک نام "الرزاق" بھی ہے۔ یعنی بہت زیادہ رزق دینے والا۔ روئے زمین پر جس قدر مخلوقات موجود ہیں ان سب کا رازق اور روزی رساں صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

﴿ وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي ٱلْأَرْضِ إِلَّا عَلَى ٱللَّهِ رِزْقُهَا﴾ (ھود۱۱/ ٦)

"زمین پر جو بھی جاندار ہے اس کے رزق کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ کی ہے۔"

﴿ ٱللَّهُ ٱلَّذِى خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ هَلْ مِن شُرَكَآئِكُم مَّن يَفْعَلُ مِن ذَٰلِكُم مِّن شَىْءٍ سُبْحَٰنَهُۥ وَتَعَٰلَىٰ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿٤٠﴾﴾ (الروم۳۰/ ٤٠)

"اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے تمہیں پیدا کیا' پھر تمہیں رزق دیا' پھر تمہیں مارے گا' اور پھر زندہ کرے گا کیا تمہارا کوئی شریک ایسے کام کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ ان سے پاک اور بلند ہے۔ جنہیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں۔"

﴿ يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ عَلَيْكُمْ هَلْ مِنْ خَٰلِقٍ غَيْرُ ٱللَّهِ يَرْزُقُكُم مِّنَ

ٱلسَّمَآءِ وَٱلۡأَرۡضِۚ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَۖ فَأَنَّىٰ تُؤۡفَكُونَ ﴿٣﴾ (فاطر ٣٥/ ٣)

"لوگو! تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہے جو تمہیں زمین اور آسمان سے رزق دے؟ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، تم کہاں بھٹک رہے ہو؟"

چونکہ رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے اس لیے حدیث کے اس حصہ میں فرمایا: تم سب بھوکے ہو۔ تمہیں رزق اور کھانے کی ضرورت پیش آتی رہتی ہے۔ رزق اسی کو ملتا ہے جسے میں دوں۔ لہٰذا مجھ سے رزق طلب کرو، میں تمہیں دوں گا۔

(۴) لباس

آگے فرمایا کہ تم سب ننگے ہو، تمہیں لباس اور کپڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ لباس بھی میں دیتا ہوں۔ مجھ سے لباس مانگو میں تمہیں پہننے کو دوں گا۔

لباس انسان کی زینت اور ستر ڈھانپنے کا ذریعہ ہے۔

﴿ يَٰبَنِيٓ ءَادَمَ قَدۡ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكُمۡ لِبَاسٗا يُوَٰرِي سَوۡءَٰتِكُمۡ وَرِيشٗاۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقۡوَىٰ ذَٰلِكَ خَيۡرٞۚ﴾ (الأعراف ٧/ ٢٦)

"اے بنی آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس نازل کیا ہے جو تمہارے ستر ڈھانپتا اور زینت کا کام دیتا ہے اور اس لباس سے تقویٰ کا لباس بہت بہتر ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو استعمال کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نیا کپڑا پہنتے تو یہ دعا فرماتے:

«اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أَنْتَ كَسَوْتَنِيهِ أَسْئَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ» (جامع الترمذي، اللباس، باب ما يقول إذا لبس ثوبا جديدا، ح: ١٧٦٧ وانظر مختصر شمائل الترمذي للألباني، ص: ٤٧)

"یا اللہ! تیرے ہی لیے تمام تعریفیں ہیں تو نے مجھے یہ لباس مہیا کیا۔ میں تجھ سے اس لباس اور جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس کی خیر کا طالب ہوں اور اس کے شر اور جس مقصد کے لئے بنایا گیا ہے اس کے شر سے پناہ چاہتا ہوں۔"

معاذ بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت ﷺ نے فرمایا جو شخص لباس پہنتے وقت یہ دعا پڑھے۔ اس کے سابقہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں:

«اَلْحَمْدُ للهِ الَّذِي كَسَانِي هٰذَا الثَّوْبَ وَرَزَقَنِيهِ مِنْ غَيْرِ حَوْلٍ مِّنِّي وَلاَ قُوَّةٍ» (سنن أبي داود، اللباس، باب: ١، ح:٤٠٢٣ وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام، ح:٣٤٥٨)

”تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے میری کسی محنت اور قوت کے بغیر مجھے یہ لباس عطا فرمایا۔“

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندو! تم سب کو لباس کی ضرورت رہتی ہے تم مجھ سے لباس طلب کرو۔ میں تمہیں لباس دوں گا۔

(۵) استغفار

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”میرے بندو! تم دن رات گناہ کرتے ہو' میں ہی تمام گناہ بخشنے والا ہوں۔ تم مجھ سے مغفرت طلب کرو میں تمہیں بخش دوں گا۔“ استغفار کی بڑی فضیلت ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ہر مشکل اور پریشانی سے نجات دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق عطا فرماتا ہے جس کا اسے وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔ استغفار کی اسی فضیلت کی وجہ سے آنحضرت ﷺ ایک دن میں سو سے زیادہ مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے۔ دلوں پر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غفلت کا زنگ چڑھ جاتا ہے اس کا علاج بھی اللہ تعالیٰ کی یاد اور استغفار ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلٰى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ» (صحيح مسلم، الذكر والدعاء، باب استحباب الاستغفار...، ح:٢٧٠٢)

”میرے دل پر زنگ آجاتا ہے اور میں ایک دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں۔“

استغفار کرنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”جب انسان گناہ کرتا ہے تو اس کے دل پر ایک سیاہ نقطہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ و استغفار کرلے تو اس کا دل صاف ہو جاتا ہے۔“ (جامع الترمذی' تفسیر القرآن' (۳۳۳۴)' ابن ماجہ الزہد' باب ذکر الذنوب' ح ۴۲۴۴)

انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے میرے بندے جب تک مجھ سے استغفار کرتے رہیں گے میں انہیں معاف کرتا رہوں گا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "شیطان نے کہا تھا: اے رب! مجھے تیری عزت اور جلال کی قسم: جب تک ان لوگوں کے اجسام میں ان کی ارواح رہیں گی میں تب تک انہیں گمراہ کرتا رہوں گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے عزت و جلال اور علو مکان کی قسم! یہ بندے جب تک استغفار کرتے رہیں گے میں بھی انہیں معاف کرتا رہوں گا۔ (احمد ۲۹/۳، ۴۱ والمشکوٰۃ للالبانی: ۷۲۴/۲)

اگر انسان شرک کا ارتکاب نہ کرے تو خواہ روئے زمین کے برابر گناہ کر لے اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے تو اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما دے گا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے ابن آدم! تو جب تک مجھے پکارتا اور میری رحمت کا امیدوار رہتا ہے' تیرے اعمال کیسے ہی ہوں میں تجھے بخش دوں گا۔ مجھے کوئی پروا نہیں' اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے استغفار کر کے معافی طلب کرے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا مجھے کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! اگر تو روئے زمین کے برابر گناہ کر کے آئے اور شرک نہ کیا ہو تو میں اتنی ہی مغفرت سے تجھے نواز دوں گا۔ (جامع الترمذی' الدعوات' باب فی فضل التوبۃ' والاستغفار' ح:۳۵۴۰)

کلمہ استغفار | جو شخص یہ (درج ذیل کلمہ) پڑھے اس کی مغفرت کر دی جاتی ہے خواہ وہ میدان جہاد سے فرار ہی ہوا ہو۔"

«اَسْتَغْفِرُ اللهَ الَّذِي لاَ إِلٰهَ إِلاَّ هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ وَأَتُوبُ إِلَيْهِ»(سنن أبي داود، أبواب الوتر، باب في الاستغفار، ح:١٥١٧ وجامع الترمذي، الدعوات، باب دعاء الضيف، ح:٣٥٧٧)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مجلس میں:

«رَبِّ اغْفِرْ وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُورُ»(سنن أبي داود، أبواب

الوتر، باب في الاستغفار، ح:١٥١٦، وجامع الترمذي، الدعوات، باب ما يقول إذا قام من مجلسه، ح:٣٤٣٤ وسنن ابن ماجه، الأدب، باب الاستغفار، ح:٣٨١٤)

سو سو بار پڑھا کرتے تھے۔

سید الاستغفار حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص اسے صبح کے وقت صدق دل سے پڑھے اگر وہ شام سے پہلے فوت ہو گیا تو وہ جنتی ہے اسی طرح جو شخص اسے رات کو پڑھے اور صبح سے پہلے فوت ہو جائے تو وہ جنتی ہے۔

«اَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبِّي لاَ إِلٰهَ إِلاَّ أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنَا عَبْدُكَ وَأَنَا عَلٰى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ أَبُوءُ لَكَ بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَأَبُوءُ بِذَنْبِي فَاغْفِرْلِي إِنَّهُ لاَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلاَّ أَنْتَ»(صحيح البخاري، الدعوات، باب أفضل الاستغفار، ح:٦٣٠٦)

''اے اللہ! تو میرا رب ہے تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں' تو نے مجھے پیدا کیا ہے میں تیرا عاجز بندہ ہوں اور میں تیرے ساتھ کیے ہوئے عہد اور وعدے پر اپنی استطاعت کے مطابق قائم ہوں' میں نے جو خطائیں کی ہیں ان کے وبال سے تیری پناہ چاہتا ہوں تو نے مجھ پر جو احسانات کیے ہیں میں ان کا اقراری ہوں' اور مجھے اپنے گناہوں کا بھی اعتراف ہے۔ یا اللہ! مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔''

﴿۶﴾ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا' میرے بندو! تم مجھے نفع پہنچا سکتے ہو نہ نقصان۔ ایک موحد کا یہ عقیدہ ہونا چاہیے کہ دنیا کی کوئی طاقت اللہ تعالیٰ کو نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی وہ مالک الملک (کائنات کا مالک) اور ملک الملوک (بادشاہوں کا بادشاہ) ہے۔

﴿۷﴾ اگر اگلے پچھلے سب لوگ نیک اور صالح ترین بن جائیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کے اقتدار و سلطنت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا اور نہ اسے کوئی فائدہ پہنچتا ہے انسان جو کچھ کرتے ہیں اپنے لیے کرتے ہیں۔

﴿۸﴾ اسی طرح اگر ساری کائنات بدی پر اتر آئے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان ہے نہ

اس کی سلطنت میں کوئی کمی آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک یا بد ہونے سے مکمل طور پر بے پروا اور مستغنی ہے۔ الصمد اور الغني اس کے اوصاف ہیں۔

﴿۹﴾ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر ہر نعمت کے بے بہا خزانے ہیں جن میں کمی آتی ہے نہ آ سکتی ہے۔ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کب سے اپنے بندوں پر اپنی نعمتیں نچھاور کر رہا ہے ایک انسان کے لیے ان کا احصاء کرنا ناممکن ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

﴿ قُل لَّوْ كَانَ ٱلْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمَٰتِ رَبِّى لَنَفِدَ ٱلْبَحْرُ قَبْلَ أَن تَنفَدَ كَلِمَٰتُ رَبِّى وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهِۦ مَدَدًا ﴿١٠٩﴾ ﴾ (الكهف١٨/ ١٠٩)

"کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ کی باتوں (نعمتوں) کو شمار کرنے اور لکھنے کے لیے اگر سمندر روشنائی ہو تو اللہ تعالیٰ کی باتیں (نعمتیں) تمام ہونے سے قبل سمندر ختم ہو جائے بلکہ اگر اتنی ہی روشنائی مزید ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔"

﴿ وَلَوْ أَنَّمَا فِى ٱلْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَٰمٌ وَٱلْبَحْرُ يَمُدُّهُۥ مِنۢ بَعْدِهِۦ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَٰتُ ٱللَّهِ ﴾ (لقمان٣١/ ٢٧)

"اگر روئے زمین کے سارے درخت قلم ہوں اور سمندر کا پانی روشنائی ہو اور اس کے علاوہ مزید سات سمندر روشنائی کے ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ کی باتیں (علم اور حکمتیں) مکمل نہ ہوں گی۔"

﴿ وَإِن تَعُدُّوا۟ نِعْمَتَ ٱللَّهِ لَا تُحْصُوهَآ ﴾ (إبراهيم١٤/ ٣٤)

"اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احصاء کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔"

﴿ وَإِن مِّن شَىْءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَآئِنُهُۥ ﴾ (الحجر١٥/ ٢١)

"ہمارے پاس ہر چیز کے خزانے ہیں۔"

صحیحین میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا دایاں ہاتھ نعمتوں سے بھرا ہوا ہے وہ دن رات اس میں سے خرچ کرتا رہتا ہے۔ اس کے باوجود اس کے خزانوں میں کوئی کمی نہیں آتی۔ ذرا دیکھو اور غور کرو کب سے زمین و آسمان پیدا کیے اس وقت سے اب تک اس میں کچھ بھی کمی نہیں آئی۔" (صحيح البخاري التفسير' ح

:۴۶۸۳ و صحیح مسلم' الزکاۃ' باب الحث علی النفقۃ' ح :۹۹۳)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پیش نظر حدیث میں بندوں کو اپنے استغنا کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا: اگر ساری کائنات مل کر اپنی اپنی مرضی' خواہش اور ضرورت کے مطابق مانگے اور میں ہر ایک کو اس کی درخواست کے مطابق عطا کر دوں تو میرے خزانوں میں بس اتنی سی کمی آئے گی جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لینے سے سمندر میں آتی ہے۔

﴿۱۰﴾ آخر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اللہ تعالیٰ انسان کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیتا ہے بھلائی کی صورت میں اللہ تعالیٰ کا شکر اور خسارے کی صورت میں خود انسان موردِ الزام ٹھہرتا ہے اگر اس نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی تو اس میں آدمی کا اپنا قصور ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم اور زیادتی نہیں کرتا۔

اس لئے فرمایا: میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہیں جنہیں میں محفوظ کر رہا ہوں میں تمہیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دوں گا۔ جو شخص اپنے اعمال کا نتیجہ اچھا پائے وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور جسے اچھا نتیجہ نہ ملے تو وہ اپنے آپ کو ملامت کرے۔ کیونکہ وہ خود ذمہ دار ہے۔ کسی کا قصور نہیں۔

۲۵۔ صدقہ کا حقیقی مفہوم

عَنْ أَبِي ذَرٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ نَاسًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالُوا لِلنَّبِيِّ ﷺ: يَارَسُولَ اللهِ! ذَهَبَ أَهْلُ الدُّثُورِ بِالأُجُورِ، يُصَلُّونَ كَمَا نُصَلِّي، وَيَصُومُونَ كَمَا نَصُومُ، وَيَتَصَدَّقُونَ بِفُضُولِ أَمْوَالِهِمْ، قَالَ: «أَوَ لَيْسَ قَدْ جَعَلَ اللهُ لَكُمْ مَّا تَصَدَّقُونَ بِهِ؟ إِنَّ بِكُلِّ تَسْبِيحَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَكْبِيرَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَحْمِيدَةٍ صَدَقَةً، وَكُلِّ تَهْلِيلَةٍ صَدَقَةً، وَأَمْرٌ بِالْمَعْرُوفِ صَدَقَةٌ، وَنَهْيٌ عَنْ مُّنْكَرٍ صَدَقَةٌ، وَفِي بُضْعِ أَحَدِكُمْ صَدَقَةٌ»

قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ! أَيَأْتِي أَحَدُنَا شَهْوَتَهُ وَيَكُونُ لَهُ فِيهَا أَجْرٌ؟ قَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ وَضَعَهَا فِي حَرَامٍ، أَكَانَ عَلَيْهِ وِزْرٌ؟ فَكَذٰلِكَ إِذَا وَضَعَهَا فِي الْحَلَالِ كَانَ لَهُ أَجْرٌ» (رواه مسلم)

سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے چند صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: "یارسول اللہ! اہل ثروت تو اجر و ثواب میں سبقت لے گئے کیونکہ وہ ہماری طرح نمازیں پڑھتے اور روزے رکھتے ہیں اور اپنے زائد مال میں سے صدقہ (بھی) کرتے ہیں (مال نہ ہونے کے سبب ہم صدقہ کرنے سے قاصر ہیں) آپ نے فرمایا: "کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں بھی صدقے کا سامان مہیا نہیں کیا؟ تمہارا ایک دفعہ "سبحان اللّٰہ" کہنا صدقہ ہے۔ تمہارا ایک دفعہ "اللّٰہ اکبر" کہنا صدقہ ہے۔ ایک دفعہ "الحمدللّٰہ" کہنا صدقہ ہے ایک دفعہ "لا الہ الا اللّٰہ" کہنا صدقہ ہے۔ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا صدقہ ہے۔ اور ہم بستری کرنے میں بھی صدقہ کا ثواب ہے۔" صحابہ نے کہا' یارسول اللہ! ہم میں سے کوئی شخص اپنی نفسانی خواہش کو پورا کرے تو اسے بھی ثواب ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا! "کیا خیال ہے اگر وہ اسے حرام جگہ استعمال کرے تو اسے گناہ نہ ہو گا؟ ایسے ہی حلال مقام پر استعمال کرنے پر اجر بھی ملے گا۔"

تخریج: صحیح مسلم، الزکاۃ، باب بیان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ح: ١٠٠٦.

شرح الالفاظ: [نَاسًا] کچھ لوگ یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم [ذَهَبَ أَهْلُ الدثور بِالأُجور] الدثور' دثر کی جمع ہے۔ دثر بہت سے مال کو کہتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ مالداروں کو حصول ثواب کے تمام وسائل مہیا ہیں۔ [بِفُضُوْلِ أَمْوَالِهِم] "فضول" جمع ہے فضل کی

زائد از ضرورت چیز کو "فضل" کہتے ہیں۔ [تهليلة] لا اله الا اللّٰه پڑھنا۔ [بضع] با پر پیش اور ضاد پر سکون شرم گاہ یا جماع [شهوته] اپنی لذت کو۔

تشریح کے لیے حدیث نمبر ۲۶ ملاحظہ فرمائیں۔

۲۶۔ ہر نیکی صدقہ ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ «كُلُّ سُلَامَى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ، كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيهِ الشَّمْسُ» قَالَ: «تَعْدِلُ بَيْنَ الاثْنَيْنِ صَدَقَةٌ، وَتُعِينُ الرَّجُلَ فِي دَابَّتِهِ فَتَحْمِلُهُ عَلَيْهَا، أَوْ تَرْفَعُ لَهُ عَلَيْهَا مَتَاعَهُ، صَدَقَةٌ» قَالَ: «وَالْكَلِمَةُ الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ، وَكُلُّ خُطْوَةٍ تَمْشِيهَا إِلَى الصَّلَاةِ صَدَقَةٌ، وَتُمِيطُ الأَذَى عَنِ الطَّرِيقِ صَدَقَةٌ»(رواه البخاري ومسلم)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا! "انسان پر ہر جوڑ کی طرف سے روزانہ صدقہ کرنا ضروری ہے۔ دو آدمیوں کے درمیان انصاف کرنا صدقہ ہے۔ سواری کے بارے میں کسی سے تعاون کرنا یعنی سواری پر سوار کرنا یا کسی کا سامان لاد کر اس کی مدد کرنا صدقہ ہے۔ اچھی بات صدقہ ہے۔ تو جو قدم نماز کے لیے اٹھائے گا صدقہ ہے۔ راستہ سے ایذا اور تکلیف دینے والی چیز کو ہٹانا بھی صدقہ ہے۔"

تخریج:(صحيح البخاري، الصلح، باب فضل الإصلاح بين الناس والعدل بينهم، ح:٢٧٠٧، والجهاد، باب من أخذ بالركاب ونحوه، ح:٢٩٨٩ وصحيح مسلم، الزكاة، باب بيان أن اسم الصدقة يقع على كل نوع من المعروف، ح:١٠٠٩ واللفظ لمسلم)

شرح الالفاظ : [سُلَامٰی] اس کی جمع "سلامیات" آتی ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہتھیلی' انگلیوں اور ٹانگوں کی تمام ہڈیوں کو "سلامی" کہتے ہیں۔ یہاں اس سے جسم کی تمام ہڈیاں اور جوڑ مراد ہیں۔ [تَعْدِلُ بَیْنَ اثْنَیْنِ] تو دو جھگڑنے والوں کے درمیان منصفانہ فیصلہ کرے۔ [اَلْکَلِمَۃُ الطَّیِّبَۃُ] اچھی بات۔ اس سے اللہ تعالیٰ کا ذکر' اپنے لیے اور دوسروں کے لیے دعا کرنا' سلام کرنا' اور دوسروں کی جائز تعریف کرنا مراد ہے۔ [خُطْوَۃٍ] خا پر زبر ہو تو اس کا معنی ایک بار قدم اٹھانا۔ اور اگر خا پر پیش ہو تو اس سے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ مراد ہوتا ہے۔ [وَتُمِیْطُ الاذٰی] جو چیز گزرنے والوں کو ایذا دیتی ہو' اسے راستہ سے ہٹائے تاکہ وہ اس کی وجہ سے پریشان نہ ہوں۔

تشریح : صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نیکیوں کے حریص تھے اور اچھے کاموں میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہتے تھے۔ وہ نیک کام کرنے میں مسلسل کوشاں رہتے تھے' اگر کسی وجہ سے کسی اچھے کام پر انہیں قدرت نہ ہوتی تو انہیں اس کا بہت ملال ہوتا۔

نادار صحابہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اہلِ ثروت نیکیوں اور درجات میں ہم سے سبقت لے گئے صوم و صلوٰۃ میں وہ ہمارے ساتھ برابر ہیں ہم نماز پڑھتے ہیں اور وہ بھی' ہم روزے رکھتے ہیں اور وہ بھی۔ البتہ وہ صاحب ثروت ہونے کی وجہ سے ان عبادات کے ساتھ ساتھ مالی صدقہ بھی کرتے ہیں جو ہمارے بس میں نہیں۔ ان کی بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے صدقات کا سامان مہیا نہیں کیا؟ تمہیں ایک دفعہ "سبحان اللّٰہ" کہنے پر صدقہ کا ثواب ملے گا' ایک دفعہ "اللّٰہ اکبر" کہنے سے صدقہ کا ثواب ملے گا' ایک دفعہ "الحمد اللّٰہ" اور اسی طرح "لا الہ الا اللّٰہ" پڑھنے سے صدقہ کا ثواب ہو گا۔ اس کے علاوہ تم امر بالمعروف کرو' یہ بھی صدقہ ہے۔ نہی عن المنکر بھی صدقہ ہے۔ اسی طرح کوئی زنا سے بچتے ہوئے اپنی منکوحہ سے ہم بستری کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں صدقہ کے معنی و مفہوم کو بڑی وسعت دی ہے۔ نیکی کا کوئی بھی عمل جو حسن نیت سے کیا جائے اسے صدقہ کہا گیا ہے۔ حضرت جابر بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«كُلُّ مَعْرُوفٍ صَدَقَةٌ، وَإِنَّ مِنَ الْمَعْرُوفِ أَنْ تَلْقَى أَخَاكَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ، وَأَنْ تُفْرِغَ مِنْ دَلْوِكَ فِي إِنَاءِ أَخِيكَ»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في طلاقة الوجه وحسن البشر، ح: ١٩٧٠)

"ہر نیکی صدقہ ہے، تیرا مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا بھی نیکی (صدقہ) ہے، اپنے ڈول سے کسی بھائی کے برتن میں پانی ڈال دینا بھی نیکی صدقہ ہے۔"

حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ نے فرمایا:

«تَبَسُّمُكَ فِي وَجْهِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ، وَأَمْرُكَ بِالْمَعْرُوفِ وَنَهْيُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ، وَإِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِي أَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَبَصَرُكَ لِلرَّجُلِ الرَّدِيءِ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِيقِ لَكَ صَدَقَةٌ، وَإِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِي دَلْوِ أَخِيكَ لَكَ صَدَقَةٌ»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في صنائع المعروف، ح:١٩٥٦)

"تیرا مسلمان بھائی کو خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ ہے تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے تو یہ بھی صدقہ ہے۔ کسی راستہ بھولے کو راستہ دکھانا بھی صدقہ ہے۔ کسی نابینا کو سیدھی راہ پر چلانا بھی صدقہ ہے۔ راستہ سے پتھر کانٹا اور ہڈی وغیرہ اٹھا دینا بھی صدقہ ہے۔ تمہارا اپنے ڈول سے کسی بھائی کے ڈول میں پانی ڈال دینا بھی صدقہ ہے۔"

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَفَقَةُ الرَّجُلِ عَلَى أَهْلِهِ صَدَقَةٌ» (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، ما جاء في النفقة على الأهل، ح: ١٩٦٥)

"انسان کا اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔"

اسی طرح اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھ رہا ہے تو کوئی شخص اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے تاکہ اسے جماعت کا ثواب ہو تو اس کا یہ عمل بھی صدقہ ہے۔ ایک دفعہ آنحضرت

ﷺ نے ایک شخص کو اکیلے نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا: کوئی ہے جو اس نمازی کے ساتھ مل کر نماز پڑھے اور اس عمل سے اس پر صدقہ کرے۔ (سنن ابی داود، الصلاۃ، ح:۵۷۴ و سنن دارمی، ح:۱۳۷۵)

«وَعَوْنُكَ الضَّعِيفَ بِفَضْلِ قُوتِكَ صَدَقَةٌ»(مسند أحمد، ٥/ ١٥٤)

"تمہارا اپنی زائد از ضرورت خوراک سے کسی کمزور کی مدد کرنا بھی صدقہ ہے۔"

«وَبَيَانُكَ عَنِ الأَرْثَمِ صَدَقَةٌ»(مسند أحمد: ٥/ ١٥٤)

"جو شخص اپنا مقصود و مدعا بیان کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو اور تو اس کی طرف سے وضاحت و تبیین کر دے تو یہ بھی صدقہ ہے۔"

«إِنَّ سَلاَمَكَ عَلٰى عِبَادِ اللهِ صَدَقَةٌ» (مسند أحمد: ٢/ ٣٢٩)

"اللہ تعالیٰ کے بندوں کو سلام کہنا بھی صدقہ ہے۔"

«وَأَنْتَ فِيكَ صَدَقَةٌ»(مسند أحمد: ٥/ ١٥٤)

"مسلمان کا اپنے اوپر خرچ کرنا بھی صدقہ ہے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَا مِنْ مُّسْلِمٍ يَغْرِسُ غَرْسًا إِلاَّ كَانَ مَا أُكِلَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةً، وَمَا سُرِقَ مِنْهُ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ مِنْهُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَمَا أَكَلَتِ الطَّيْرُ فَهُوَ لَهُ صَدَقَةٌ، وَلاَ يَرْزَأُهُ أَحَدٌ إِلاَّ كَانَ لَهُ صَدَقَةٌ»(صحيح البخاري، الأدب، باب رحمة الناس والبهائم، ح: ٦٠١٢ وصحيح مسلم، المساقاة، باب فضل الغرس والزرع، ح: ١٥٥٢ و اللفظ لمسلم)

"مسلمان جو چیز کاشت کرے، اس میں سے جو کچھ کھایا جائے وہ اس کاشت کرنے والے کے لیے صدقہ ہے جو اس سے چوری ہو جائے وہ بھی صدقہ ہے۔ اس میں سے جو کچھ درندے کھا جائیں وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے۔ اس میں سے جو کچھ پرندے کھا جائیں وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے اور اسے اس سلسلہ میں جو بھی تکلیف یا نقصان پہنچے وہ بھی اس کے حق میں صدقہ ہے۔"

«مَنْ أَحْيَا أَرْضًا مَيْتَةً فَلَهُ مِنْهَا يَعْنِي أَجْرًا»(مسند أحمد: ٣/ ٣٠٤).

"جو شخص ویران اور بنجر زمین آباد کرے وہ اس کے حق میں اجر ہے۔"

مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَا أَطْعَمْتَ نَفْسَكَ فَهُوَ لَكَ صَدَقَةٌ وَوَلَدَكَ وَزَوْجَتَكَ وَخَادِمَكَ»(مسند أحمد: ٤/ ١٣٢)

"تم جو خود کھاؤ' بیوی' بچوں اور خادم کو کھلاؤ وہ سب صدقہ ہے۔"

«لَهُ بِكُلِّ صَلَاةٍ صَدَقَةٌ»(سنن أبي داود، أبواب التطوع، باب صلاة الضحى، ح: ١٢٨٦)

"مسلمان کو ہر نماز پر صدقے کا ثواب ملتا ہے۔"

«وَصِيَامٍ صَدَقَةٌ»(سنن أبي داود، أبواب التطوع، باب صلاة الضحى، ح: ١٢٨٦)

"مسلمان کو روزے پر بھی صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔"

«وَحَجٍّ صَدَقَةٌ»(سنن أبي داود، أبواب التطوع، باب صلاة الضحى، ح: ١٢٨٦)

"مسلمان کو حج کرنے پر بھی صدقے کا ثواب ملتا ہے۔"

ان تمام احادیث مبارکہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صالح اعمال کا نام لے لے کر انہیں صدقہ قرار دیا ہے۔ بہرحال مفہوم و مراد یہ ہے کہ نیکی کا ہر کام اللہ تعالیٰ کے ہاں صدقہ ہے اور عمل کرنے والے کو صدقہ کرنے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ البتہ صرف مالی صدقہ کرنے والا افضل ہے یا اللہ کا ذکر اور نیک اعمال کرنے والا؟ تو اس سلسلے میں ایک حدیث میں واضح طور پر آیا ہے کہ صرف مال خرچ کرنے والا افضل نہیں۔ بلکہ اس کے بالمقابل ذکر الٰہی کرنے والا افضل ہے۔

ہاں! البتہ اگر کوئی شخص ذکر الٰہی کے ساتھ ساتھ مال بھی خرچ کرے تو وہ سب سے افضل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمام اعمال میں سب سے افضل' پاکیزہ' درجات کو بلند کرنے والا' سونا چاندی خرچ کرنے سے افضل اور جہاد

سے بھی افضل ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا: ضرور بتلایئے! تو آپ نے فرمایا: یہ عمل اللہ تعا
ذکر ہے۔ (جامع الترمذی' الدعوات' ح:۳۳۷۷)

۲۷۔ نیکی اور گناہ کی پہچان

عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ: «الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ»(رواه مسلم)

وَعَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: «جِئْتَ تَسْأَلُ عَنِ الْبِرِّ؟» قُلْتُ: نَعَمْ، قَالَ: «اسْتَفْتِ قَلْبَكَ، البِرُّ مَا اطْمَأَنَّتْ إِلَيْهِ النَّفْسُ وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَالإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ، وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ، وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ» (حديث حسن رويناه في «مسندي» الإمامين أحمد ابن حنبل والدارمي بإسناد حسن)

سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اصل نیکی "حسن اخلاق" ہے اور جو چیز تیرے دل میں کھٹکے اور تو چاہتا ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر نہ ہو وہ "گناہ" ہے۔" اور حضرت وابصہ بن معبد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو' آپ نے فرمایا: "تم نیکی کے متعلق پوچھنے آئے ہو (کہ نیکی کیا ہے؟) میں نے کہا: جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: اپنے دل سے پوچھ لو جس کام پر انسان کا دل مطمئن ہو وہ نیکی ہے اور جو چیز دل میں کھٹکے اور اس کے متعلق سینہ میں تردد ہو' وہ گناہ ہے۔ خواہ لوگ اس کے جواز کا فتویٰ ہی کیوں نہ دیں۔"

تخریج: صحیح مسلم، البر والصلة، باب تفسیر البر والإثم، ح:٢٥٥٣ وحدیث وابصة أخرجه أحمد: ٤/ ٢٨٨ والدارمي: ٢/ ٢٤٥ وأبویعلی، ح: ١٥٨٦.

شرح الالفاظ: [اَلْبِرُّ] بڑی اور اصل نیکی۔ اس سے مراد ایسا کام ہے جس کے واجب یا مندوب ہونے کا شریعت تقاضا کرے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ "البر" ایک جامع کلمہ ہے جو نیکی کے تمام افعال پر مشتمل ہے۔ [حُسْنُ الْخُلُقِ] اچھے اخلاق۔ مثلاً خندہ پیشانی سے پیش آنا' ایذا رسانی سے باز رہنا اور سخاوت کرنا وغیرہ۔ [الاثْمُ] گناہ۔ اس سے ہر وہ کام مراد ہے جس سے شارع نے منع کیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ "الاثم" ایک جامع کلمہ ہے جو تمام برے افعال پر مشتمل ہے۔ [مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ] یعنی جو بات تیرے جی میں کھٹکے' تیرے دل پر راسخ اور اثر انداز ہو [تَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ] اس پر دل مطمئن نہ ہو۔ اس کے متعلق انشراح صدر نہ ہو۔ [وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ] خواہ لوگ یعنی علماء تجھے فتویٰ دیتے رہیں۔ کیونکہ علماء باطن کی بجائے ظاہر پر فتویٰ دیتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں نبی ﷺ نے نیکی اور گناہ کے بارے میں وضاحت فرمائی ہے۔

قرآن و حدیث میں نیکی اور گناہ کے متعلق واضح ہدایات اور احکام موجود ہیں۔ تاہم بعض صورتیں ایسی بھی پیش آ جاتی ہیں کہ ان کے نیکی یا گناہ ہونے کے متعلق یا جائز و ناجائز ہونے کا فیصلہ واضح طور پر نہیں کیا جا سکتا۔ ایک مومن تو ایسے مواقع پر ٹھٹھک جاتا ہے اور توقف کر کے سوچ سمجھ کر قدم اٹھاتا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورتوں میں کس طرح فیصلہ کرے؟ آنحضرت ﷺ نے پیش نظر حدیث میں اس سلسلے میں ایک عمدہ کسوٹی بیان فرمائی ہے کہ انسان اپنے دل سے پوچھے' اگر کسی امر کے متعلق دل میں کوئی کھٹکا نہ ہو تو وہ صحیح ہے۔ اسے اختیار کر لینا چاہیئے اور اگر دل میں کوئی کھٹکا یا تردد ہو تو اس سے باز رہنا چاہیئے۔ جیسا کہ ایک اور حدیث میں بھی آیا ہے:

«دَعْ مَا يَرِيبُكَ إِلَى مَا لاَ يَرِيبُكَ»

"جس کے بارے میں تردد یا شک ہو اسے چھوڑ کر وہ امر اختیار کرنا چاہیئے جس کے متعلق کسی قسم کا تردد یا شک نہ ہو۔"

اسی حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نیکی حسن خلق ہے۔ یہ گویا تفسیر بالمثال ہے۔ اور نیکی کے ضمن میں ایک اہم اور افضل عمل بیان کیا گیا کہ حسن اخلاق بہت بڑی نیکی ہے۔ اسلام میں حسن اخلاق پر بڑا زور دیا گیا اور مسلمانوں کو اس کی بڑی تلقین کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿ وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ ۝٤ ﴾ (القلم٦٨/ ٤)

"بے شک آپ اعلیٰ اخلاقی قدروں پر فائز ہیں۔"

اور آپ نے اپنا مقصد بعثت ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

«إِنَّمَا بُعِثْتُ لأُتَمِّمَ مَكَارِمَ الأَخْلَاقِ» (موطأ الإمام مالك، الجامع، باب ما جاء في حسن الخلق ومسند أحمد من رواية أبي هريرة وإسناده حسن وانظر صحيح الجامع الصغير، ح: ٢٨٣٣)

"مجھے اعلیٰ اور اچھے اخلاق کی تکمیل کے لیے بھیجا گیا ہے۔"

آنحضرت ﷺ کے اس سلسلہ میں بہت سے ارشاداتِ عالیہ ہیں۔ ان میں سے چند ملاحظہ ہوں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«خِيَارُكُمْ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلَاقًا»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في الفحش والتفحش، ح: ١٩٧٥)

"تم میں اچھے اور بہتر وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق عمدہ ہوں۔"

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے مجھے فرمایا:

«اِتَّقِ اللهَ حَيْثُمَا كُنْتَ وَأَتْبِعِ السَّيِّئَةَ الْحَسَنَةَ تَمْحُهَا وَخَالِقِ النَّاسَ بِخُلُقٍ حَسَنٍ»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في معاشرة الناس، ح: ١٩٨٧)

"تم جہاں بھی ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور گناہ ہو جائے تو اس کے بعد نیکی کر لیا کرو یہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی اور لوگوں کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ رکھو۔"

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَا شَيْءٌ أَثْقَلَ فِي مِيزَانِ الْمُؤْمِنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ خُلُقٍ حَسَنٍ فَإِنَّ اللهَ لَيُبْغِضُ الْفَاحِشَ الْبَذِيءَ»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، ح:٢٠٠٢)

"قیامت کے دن مومن کی میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہ ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کو فحش گو' بدکلام سے نفرت اور بغض ہے۔"

ابودرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَا مِنْ شَيْءٍ يُوضَعُ فِي الْمِيزَانِ أَثْقَلُ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ وَإِنَّ صَاحِبَ حُسْنِ الْخُلُقِ لَيَبْلُغُ بِهِ دَرَجَةَ صَاحِبِ الصَّوْمِ وَالصَّلَاةِ»

(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، ح:٢٠٠٣)

"میزان میں حسن اخلاق سے زیادہ وزنی کوئی عمل نہیں ہوگا اور صاحب حسن اخلاق اپنے اس عمل کی وجہ سے نمازی اور روزے دار کے برابر درجے کو جا پہنچتا ہے۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا: زیادہ لوگوں کو کون سی چیز جنت میں لے جائے گی؟ آپ نے فرمایا:

«تَقْوَى اللهِ وَحُسْنُ الخُلُقِ وَسُئِلَ عَنْ أَكْثَرِ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ قَالَ: الْفَمُ وَالْفَرْجُ»(جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، ح:٢٠٠٤)

"تقویٰ اور حسن اخلاق" پھر پوچھا گیا: "زیادہ لوگوں کو جہنم میں کونسی چیز لے جائے گی؟" فرمایا: "منہ اور شرمگاہ۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«وَكَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا» (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في حسن الخلق، ح:٢٠١٥)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے بڑھ کر عمدہ اور بہترین اخلاق کے مالک تھے۔"

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ وَأَقْرَبِكُمْ مِنِّي مَجْلِسًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَحَاسِنُكُمْ أَخْلاَقًا» (جامع الترمذي، أبواب البر والصلة، باب ماجاء في حسن الخلق، ح:٢٠١٨)

"بے شک قیامت کے دن تم سب کی نسبت میرے قریب اور میرا محبوب وہ شخص ہو گا جس کے اخلاق سب سے بہتر ہوں گے۔"

حسن اخلاق کے بارے میں کچھ احادیث' حدیث نمبر۱۸ کے تحت لکھی جا چکی ہیں۔

اس کے بعد آپ نے گناہ کی وضاحت فرمائی کہ جو کام کرتے وقت دل میں کھٹکا یا تردد ہو اور انسان کی کوشش ہو کہ لوگوں کو اس کا پتہ نہ چل جائے تو وہ گناہ ہے۔ خواہ لوگ اسکے جواز کا فتویٰ ہی کیوں نہ دیں۔ اس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ابتدائی طور پر کوئی کام کرتے ہوئے کھٹکا ہو تو وہ ناجائز' غلط اور گناہ ہے۔ یہ دل میں کھٹکنے والی بات صرف ان لوگوں کے لیے ہے جن کے دل مسلم ہیں۔ برائیوں کے مریض نہیں۔ اور ان کی فطرت بھی درست ہے۔ گناہوں سے بگڑی نہیں۔ بد اور برے لوگوں کے لیے یہ اصول اور پہچان نہیں ہے۔

۲۸۔ وجوب التزام سنت

عَنْ أَبِي نَجِيحٍ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: وَعَظَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ مَوْعِظَةً وَجِلَتْ مِنْهَا الْقُلُوبُ، وَذَرَفَتْ مِنْهَا الْعُيُونُ فَقُلْنَا: يَارَسُولَ اللهِ! كَأَنَّهَا مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ فَأَوْصِنَا، قَالَ: «أُوصِيكُمْ بِتَقْوَى اللهِ عَزَّوَجَلَّ، وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، وَإِنْ تَأَمَّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ، فَإِنَّهُ مَنْ يَعِشْ مِنكُمْ بَعْدِي فَسَيَرَى اخْتِلاَفًا كَثِيرًا فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ الْمَهْدِيِّينَ تَمَسَّكُوا بِهَا، وَعَضُّوا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ، وَإِيَّاكُمْ وَمُحْدَثَاتِ الأُمُورِ، فَإِنَّ كُلَّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ، وَكُلَّ بِدْعَةٍ

ضَلَالَةٌ»(رواه أبوداود والترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

سیدنا ابو نجیح عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک وعظ فرمایا جس سے دل کانپ اٹھے اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ ہم نے کہا: یارسول اللہ! یہ تو گویا الوداع کہنے والے یعنی چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے۔ آپ ہمیں مزید وصیت فرمائیں۔ آپ نے فرمایا:

میں تمہیں اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کی وصیت کرتا ہوں اور وصیت کرتا ہوں کہ اپنے اوپر آنے والے حکام و امراء کے احکام سننا اور اطاعت کرنا خواہ تم پر کوئی حبشی غلام ہی (امیر) حاکم بن جائے۔ تم میں سے جو شخص میرے بعد زندہ رہے گا وہ یقیناً بہت سے اختلافات دیکھے گا (ان حالات میں) تم میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی سنت (طریقہ) کو لازم پکڑنا اور اسے داڑھوں سے قابو کرنا۔ دین میں نئے نئے کاموں کے ایجاد کرنے سے بچ کر رہنا کیونکہ دین میں ہر نیا کام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔“

تخريج: سنن أبي داود، السنة، باب في لزوم السنة، ح:٤٦٠٧ وجامع الترمذي، العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدعة، ح:٢٦٧٦.

شرح الالفاظ: [اَلْمَوْعِظَة] یہ الوعظ سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے نصیحت اور انجام کی یاد دہانی۔ [وَجِلَتْ] ڈر گئے۔ [ذَرَفَتْ] بہہ پڑیں، ڈبڈبا آئیں۔ [مَوْعِظَةُ مُوَدِّعٍ] اس وعظ میں حد سے زیادہ تخویف و تحذیر سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ گویا یہ تو چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے کیونکہ جانے والا اس قدر تاکید کرتا ہے کہ کوئی دوسرا اتنی تاکید نہیں کرتا۔ [بِالنَّوَاجِذِ] جمع [نَاجِذٍ] اس سے آخری داڑھ مراد ہے جس کو عقل داڑھ کہتے ہیں۔ اس میں سابقہ ذکر کردہ سنت پر شدت سے عمل کی تاکید ہے۔ [مُحْدَثَاتِ الاُمُوْرِ] دین میں ایجاد کردہ نئے امور، [بِدْعَةٌ] لغوی طور پر اس کام کو کہتے ہیں جو نیا ہو اور اس سے

قبل اس کی کوئی نظیر اور مثال نہ ہو۔ اور شرعاً بدعت سے ہر وہ کام مراد ہے جو شارع کے امر اور دلیل کے بغیر جاری کر لیا جائے۔ [ضَلاَلَةٌ] گمراہی۔ حق سے دوری

تشریح : حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی رقت انگیز خطبہ فرمایا جسے سن کر ہمارے دل ڈر گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آنکھوں سے آنسو بہہ گئے۔ تو انہوں نے کہا: یہ تو چھوڑ کر جانے والے کا سا وعظ ہے لہٰذا آپ ہمیں کوئی وصیت ہی فرما دیں۔ تو آپ نے انہیں مندرجہ ذیل باتوں کی نصیحت فرمائی۔

① تقویٰ۔ ② اطاعت امیر۔ ③ اتباعِ سنت۔ ④ اطاعت خلفائے راشدین۔ ⑤ بدعت کی مذمت اور اس سے احتراز۔

۱ تقویٰ اس کی وضاحت قبل ازیں حدیث نمبر ۱۸ کی تشریح میں بیان ہو چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۲ اطاعت امیر اسلام میں امیر' حکمران اور خلیفہ کی اطاعت پر بھی بڑا زور دیا گیا ہے۔ کیونکہ امیر کی اطاعت کے بغیر مملکت کا نظام نہیں چل سکتا۔ مسلمانوں کا حکمران خواہ شکل و صورت کے لحاظ سے کیسا ہی ہو' رعایت اس کی شکل و صورت کی نہیں بلکہ اس کے منصب کی ہے۔ اس کی اطاعت لازم اور ضروری ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

﴿ يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَطِيعُوا۟ ٱللَّهَ وَأَطِيعُوا۟ ٱلرَّسُولَ وَأُو۟لِى ٱلْأَمْرِ مِنكُمْ ﴾

(النساء٤/ ٥٩)

"اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ' اس کے رسول اور حکمرانوں کی اطاعت کرو۔"

اہل علم نے اس مقام پر نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ ((أَطِيْعُوا)) کا حکم ہے اور ((أُوْلِي الامْر)) کے ساتھ یہ لفظ موجود نہیں۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت مستقل اور غیر مشروط ہے جبکہ اولی الامر (حکمرانوں) کی اطاعت غیر مستقل اور مشروط ہے وہ جب تک شرعی حدود کے اندر رہ کر حکم دیں تو ان کی اطاعت ضروری ہے اور اگر خلافِ شریعت حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی

جا سکتی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی‘ اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی‘ اس نے میری نافرمانی کی۔“ (صحیح البخاري الجهاد‘ باب يقاتل من وراء الامام و يتقى به‘ ح :۲۹۵۷ و صحيح مسلم‘ الامارة‘ باب و جوب طاعة الامراء فى غير معصية‘ ح: ۱۸۳۵)

نیز آپ نے فرمایا:

«إِنْ أُمِّرَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ مُّجَدَّعٌ، يَقُودُكُمْ بِكِتَابِ اللهِ فَاسْمَعُوا لَهُ، وَأَطِيعُوا»(صحيح مسلم، الإمارة، باب وجوب طاعة الأمراء في غير معصية، ح:١٨٣٨)

”اگر تم پر کسی ناک کٹے غلام کو حاکم بنا دیا جائے اور وہ تم پر کتاب اللہ تعالیٰ کے مطابق حکمرانی کرے تو اس کی اطاعت کرو۔“

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«اِسْمَعُوا وَأَطِيعُوا وَإِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ»(صحيح البخاري، الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصية، ح:٧١٤٢)

”حاکم کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو اگرچہ تمہارا حاکم کوئی حبشی غلام ہو اور اس کا سر منقی (کی مانند چھوٹا سا) ہی کیوں نہ ہو۔“

اگر حکمران شرعی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے غیر شرعی اور غیر اسلامی حکم دے تو اس کی اطاعت ضروری نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ» (صحيح بالشواهد، شرح السنة: ١٠/ ٤٤ وانظر الصحيحة للألباني: ١/ ٣٥٠)

”اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت روا نہیں۔“

۳ اتباع سُنّت اتباع سنت یا اتباع رسول کے بارے میں حدیث نمبر۹ اور حدیث نمبر۴۱ کی تشریح ملاحظہ فرمائیں۔

۴ اطاعت خلفائے راشدین خلفاء' خلیفہ کی جمع ہے اور راشدین' راشد کی۔ راشد اس شخص کو کہتے ہیں جو حق کو پہچان کر اس پر اچھی طرح عامل بھی ہو' اہل اسلام کے ہاں عموماً خلفائے راشدین سے آنحضرت ﷺ کے خلفائے اربعہ مراد ہیں۔ جنہیں آپ نے "المھدیین" (ہدایت یافتہ) قرار دیا ہے۔ لیکن بعض محققین کے نزدیک اس کا اطلاق عام ہے۔ اسی لیے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کو بھی خلیفہ راشد تصور کیا گیا ہے۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص ان خلفائے کرام کی زندگیاں سیرت نبوی کے قالب میں مکمل طور پر ڈھلی ہوئی تھیں۔ آنحضرت ﷺ کی ہدایت ان کے رگ و ریشے میں خوب سرایت کر چکی تھی اس لیے آپ نے امت کو سنت خلفاء کے اپنانے کی ہدایت فرمائی۔

۵ بدعت کی مذمت اور اس سے احتراز بدعت کے متعلق حدیث نمبر ۵ میں تشریح ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

شرعی طور پر بدعت' دین میں ہر اس نئے ایجاد کردہ کام کو کہتے ہیں جس کا حضور اکرم ﷺ کے دور میں وجود نہ ہو حالانکہ اس کے کرنے میں کوئی مانع اور رکاوٹ بھی حائل نہ تھی مگر اس کے باوجود اسے خیرالقرون میں نہ کیا گیا ہو۔

۲۹۔ ابواب الخیر

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: قُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ! أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي عَنِ النَّارِ، قَالَ: «لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ عَظِيمٍ، وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللهُ عَلَيْهِ: تَعْبُدُ اللهَ لاَ تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا، وَتُقِيمُ الصَّلاَةَ، وَتُؤْتِي الزَّكَاةَ، وَتَصُومُ رَمَضَانَ،

وَتَحُجُّ الْبَيْتَ» ثُمَّ قَالَ: «أَلاَ أَدُلُّكَ عَلٰى أَبْوَابِ الْخَيْرِ؟ الصَّوْمُ جُنَّةٌ، وَالصَّدَقَةُ تُطْفِىءُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِىءُ الْمَاءُ النَّارَ، وَصَلاَةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ» ثُمَّ تَلاَ ﴿تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ﴾ حَتّٰى بَلَغَ ﴿يَعْمَلُونَ﴾ [السجدة: ١٦، ١٧] ثُمَّ قَالَ: «أَلاَ أُخْبِرُكَ بِرَأْسِ الأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ؟» قُلْتُ: بَلٰى! يَارَسُولَ اللهِ! قَالَ: «رَأْسُ الأَمْرِ الإِسْلاَمُ، وَعَمُودُهُ الصَّلاَةُ، وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ» ثُمَّ قَالَ: «أَلاَ أُخْبِرُكَ بِمِلاَكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ؟» فَقُلْتُ: بَلٰى: يَارَسُولَ اللهِ! «فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ» وَقَالَ: «كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا» قُلْتُ: يَا نَبِيَّ اللهِ! وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ؟ فَقَالَ: «ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَامُعَاذُ! وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ قَالَ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ، إِلاَّ حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ»(رواه الترمذي، وقال: حديث حسن صحيح)

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ”میں نے کہا: یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے دور کر دے۔ آپ نے فرمایا: ”تو نے ایک انتہائی عظیم چیز کا سوال کیا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لیے آسان فرمادے اس کے لیے بلاشبہ بڑا آسان کام ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز قائم کرو۔ زکوٰۃ ادا کرتے رہو۔ رمضان کے روزے رکھو۔ بیت اللہ کا حج کرو۔“ پھر فرمایا: ”کیا میں تجھے نیکی کے دروازے نہ بتاؤں؟

روزہ (جہنم سے) ڈھال ہے۔ صدقہ گناہوں کو یوں مٹا ڈالتا ہے جیسے پانی

آگ کو بجھا دیتا ہے اور انسان کا رات کو نماز ادا کرنا اور پھر آپ نے یہ آیات تلاوت فرمائیں۔ اہل ایمان کے پہلو (رات کو) بستر سے علیحدہ رہتے ہیں اور وہ اپنے رب کو اس کے عذاب کے خوف اور رحمت کی امید کے ملے جلے جذبات و کیفیات سے پکارتے ہیں اور ہم نے انہیں جو کچھ دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہم نے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے کیا کچھ تیار کر رکھا ہے۔ یہ سب ان کے کئے ہوئے اعمال کی جزا اور بدلہ ہو گا۔" پھر فرمایا:

"کیا میں تجھے دین کی اصل (بنیاد)' اس کا ستون اور اس کا بلند ترین عمل نہ بتا دوں؟" میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیوں نہیں؟ فرمایا:

"دین کی اصل "اسلام" (یعنی مکمل اطاعت اور خود سپردی) ہے۔ اس کا ستون نماز اور افضل و بلند عمل "جہاد" ہے۔" پھر فرمایا:

"کیا میں تجھے ان تمام اعمال کی بنیاد اور اصل کی خبر نہ دوں؟" میں نے کہا: جی ہاں' یا رسول اللہ! کیوں نہیں؟ تو آپ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا: "اسے قابو میں رکھو"۔ میں نے کہا: اے اللہ کے نبی! ہم جو کچھ بولتے ہیں کیا اس کا مؤاخذہ ہو گا؟ آپ نے فرمایا:

"اے معاذ! تجھے تیری ماں روئے' گم پائے' لوگوں کو چہروں (نتھنوں) کے بل جہنم میں ان کی زبانوں کی کٹائی (کمائی) ہی تو لے جائے گی۔"

تخریج: جامع الترمذي، الإيمان، باب ما جاء في حرمة الصلاة، ح:٢٦١٦ وسنن ابن ماجه، الفتن، باب كف اللسان في الفتنة، ح:٣٩٧٣.

شرح الالفاظ: [اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ] روزہ جہنم سے بچاؤ کا ذریعہ ہے۔ اسی طرح گناہوں' اللہ تعالیٰ کے غضب اور ناراضی سے بھی ڈھال ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾ (هود١١/ ١١٤)

"نیکیاں گناہوں کو مٹاڈالتی ہیں۔"

[حَتّٰی بَلَغَ ---- یَعْمَلُوْنَ] یعنی سورۂ سجدہ کی دو آیتیں (۱۷۔۱۶) تلاوت فرمائیں۔ [ذِرْوَۃُ سَنَامِهِ] السنام ' سین پر زبر اونٹ کی کوہان ' [ذروۃ] چوٹی۔ [ثَكِلَتْكَ اُمُّكَ] یہ بظاہر موت کی بددعا ہے مگر دراصل اس جملہ میں بددعا دینا مقصود نہیں بلکہ مخالف کو اس کی غفلت پر تنبیہ اور اس کی حالت پر تعجب کا اظہار ہے۔ [یَکُبُّ] گرائے گا [حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ] زبانوں کی کٹائی۔ یعنی زبانوں نے جو غلط الفاظ ادا کیے۔ "حصائد" "حصیدۃ" کی جمع ہے۔ یعنی کاٹی ہوئی چیز۔ آنحضرت ﷺ نے زبان کے حرام و ناجائز کلام کو کھیتی کی کٹائی سے اور زبان کو اس کے آلہ (درانتی) سے تشبیہ دی جس سے کھیتی کاٹتے ہیں۔

تشریح : حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ یارسول اللہ! کوئی ایسا عمل بتائیں جو مجھے جنت میں لے جائے اور جہنم سے بچائے۔ تو آپ نے اس کے جواب میں چند بنیادی اعمال بتائے جن کی پابندی دخولِ جنت کی ضمانت ہے۔

ارکان اسلام

آپ نے پہلے انہیں ارکان اسلام بتائے: صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نماز کی پابندی کرو۔ زکوٰۃ ادا کرو۔ رمضان کے روزے رکھو اور بیت اللہ کا حج کرو۔

ابواب الخیر یعنی نیکی کے دروازے

اس کے بعد آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں "ابواب الخیر" یعنی نیکی کے دروازے نہ بتلاؤں؟ پھر آپ نے مندرجہ ذیل چیزوں کا ذکر فرمایا:

(۱) روزہ

آپ نے فرمایا روزہ ڈھال ہے۔ یعنی گناہ و معصیت اور اللہ تعالیٰ کے غضب اور جہنم سے بچانے والا ہے۔ احادیث میں روزے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب صوم رمضان احتسابا من الإيمان، ح:٣٨ وصحيح مسلم، صلاة المسافرين، باب الترغيب في قيام رمضان وهو التراويح، ح: ٧٦٠)

"جو شخص بحالت ایمان' احتساب (حصول ثواب) کی نیت سے روزہ رکھے اس کے سابقہ تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں۔"

ایک اور حدیث میں ہے کہ اللہ کی راہ میں ایک روزہ رکھنے سے اللہ تعالیٰ روزہ دار کو جہنم سے ستر برس کی مسافت دور کر دیتا ہے۔ (صحیح مسلم' الصیام' باب فضل الصیام فی سبیل اللہ--- حدیث:۱۱۵۳-) اس لئے آنحضرت ﷺ نے روزہ کو (جہنم سے) ڈھال قرار دیا ہے۔

(۲) صدقہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے صدقہ کی فضیلت بیان فرمائی کہ اس سے گناہ یوں مٹ جاتے ہیں۔ جیسے پانی سے آگ بجھ جاتی ہے۔

(۳) قیام اللیل اس کے بعد آپ نے قیام اللیل کا ذکر فرمایا کہ یہ بھی نیکی کا ایک دروازہ ہے۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے' رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں بندے کے انتہائی قریب ہوتا ہے تم اگر اس وقت اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں میں سے ہو سکتے ہو تو اس کی کوشش کرو۔ (جامع الترمذی' الدعوات' حدیث :۳۵۷۹)

آپ نے ان تین چیزوں کو نیکی کے دروازے قرار دیا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا: کیا میں تمہیں دین کی اصل (بنیاد)' اس کا ستون اور اس کی چوٹی یعنی اعلیٰ عمل نہ بتاؤں؟ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا: یا رسول اللہ! ضرور فرمائیں تو آپ نے فرمایا: "دین کی اصل (بنیاد)' اسلام ہے۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ إِنَّ ٱلدِّينَ عِندَ ٱللَّهِ ٱلْإِسْلَٰمُ ﴾ (آل عمران۳/ ۱۹)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی دین' اسلام ہے۔"

اور پھر آپ نے دین کا ستون نماز کو اور افضل عمل "جہاد" کو قرار دیا۔

(۴) حفاظت زبان سب سے آخر میں نبی ﷺ نے زبان کی حفاظت کی تاکید فرمائی۔ کہ زبان سے صادر شدہ کلمات ہی انسان کی نجات یا ہلاکت پر منتج ہوتے ہیں اور بہت سارے لوگوں کو جہنم میں زبان ہی کی وجہ سے بھیجا جائیگا۔ کیونکہ جیسے درانتی کاٹتے وقت خشک اور تر میں امتیاز نہیں کرتی اسی طرح بعض لوگوں کی زبان بولتے وقت

اچھے برے میں تمیز نہیں کرتی۔ اسی لئے زبان کو قابو میں رکھنا چاہیئے۔

۳۰۔ شرعی احکام کی اقسام

فرائض' حدود' محرمات' مسکوت عنہا

عَنْ أَبِي ثَعْلَبَةَ الْخُشَنِيِّ جُرْثُومِ بْنِ نَاشِرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ فَرَضَ فَرَائِضَ فَلاَ تُضَيِّعُوهَا وَحَدَّ حُدُودًا فَلاَ تَعْتَدُوهَا، وَحَرَّمَ أَشْيَاءَ فَلاَ تَنْتَهِكُوهَا، وَسَكَتَ عَنْ أَشْيَاءَ رَحْمَةً لَّكُمْ غَيْرَ نِسْيَانٍ فَلاَ تَبْحَثُوا عَنْهَا»(حديث حسن، رواه الدارقطني وغيره)

سیدنا ابوثعلبہ خشنی جرثوم بن ناشر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کر دیئے ہیں انہیں ضائع مت کرو اور اس نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں ان سے تجاوز نہ کرو اور اس نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے ان چیزوں کے قریب نہ جاؤ۔ ان کی حرمت پامال نہ کرو۔ اور اس نے تم پر شفقت فرماتے ہوئے بعض چیزوں کے متعلق عمداً سکوت فرمایا ہے ان کے متعلق تم بحث میں نہ پڑو۔ [1]

تخریج: سنن الدارقطني: ٤/ ١٨٣، ١٨٤ والسنن الكبرى للبيهقي: ١٠/ ١٢-١٣.

---

[1] یہ حدیث مکحول عن ابی ثعلبہ رضی اللہ عنہ کے طریق سے مروی ہے اور دو علتوں کی بناء پر ضعیف ہے:

[1] مکحول اور ابوثعلبہ کے درمیان انقطاع ہے یعنی مکحول کا ابوثعلبہ سے سماع ثابت نہیں جیسا کہ ابومسہر دمشقی' حافظ ابونعیم اور دیگر ائمہ کا قول ہے' اور اگر سماع تسلیم بھی کر لیا جائے تو تب بھی حدیث ضعیف ہی قرار پائے گی کیونکہ مکحول مدلس راوی ہے اور زیر بحث روایت میں تحدیث یا ⬅

شرح الالفاظ : [فَرَائِضَ] اس نے کچھ چیزوں کو واجب اور ان پر عمل کو ضروری قرار دیا ہے۔ [فَلَا تُضَيِّعُوْهَا] انہیں ترک کر کے یا ان کے بارے میں اس حد تک غفلت کر کے کہ ان کا وقت نکل جائے انہیں ضائع نہ کرو۔ [وَحَدَّ حُدُوْدًا] لُغۃً ''حد'' کا معنی ہے دو چیزوں کے درمیان رکاوٹ اور شرعاً حد کا اطلاق اس سزا پر ہوتا ہے جو لوگوں کو معصیت سے روکنے کے لیے شارع کی طرف سے مقرر ہو۔ [فَلَا تَنْتَهِكُوْهَا] یعنی انہیں استعمال نہ کرو اور ان کے قریب نہ جاؤ' انہیں توڑو نہیں۔

تشریح : یہ حدیث بڑی جامع اور مختصر ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ نے شرعی احکام کی چند اقسام ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) فرائض

آپ کے ارشاد کے مطابق شرعی احکام کی ایک قسم فرائض ہے۔ فرائض' فریضہ کی جمع ہے۔ فرض یا فریضہ ان احکام کو کہتے ہیں جن کا حکم اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ ﷺ نے دیا ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿إِنَّ ٱلَّذِى فَرَضَ عَلَيْكَ ٱلْقُرْءَانَ﴾ (القصص۲۸/ ۸۵)

''بے شک جس نے آپ پر قرآن کے احکام کو فرض کیا ہے۔''

یعنی ان پر عمل کرنا واجب ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿قَدْ فَرَضَ ٱللَّهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَـٰنِكُمْ﴾ (التحریم۶۶/ ۲)

''اللہ تعالیٰ نے تم پر تمہاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔''

قرآن مجید میں فریضہ بمعنی ''مہر'' بھی استعمال ہوا ہے:

⟸ سماع کی تصریح بھی نہیں بلکہ بصیغہ عن روایت کیا ہے۔

[2] اس حدیث کے مرفوع اور موقوف میں بھی اختلاف ہے یعنی ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوعاً روایت کیا ہے یا خود ان کا اپنا قول ہے؟ اس لیے کہ بعض نے بطریق مکحول' ابو ثعلبہ سے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔ جبکہ امام دارقطنی کے نزدیک مرفوع ہونا درست اور زیادہ قرین قیاس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے: (شرح الاربعین' جامع العلوم والحکم لابن رجب :۱۵۰/۲' تھذیب التھذیب :۲۵۸/۱۰' مشکوۃ للالبانی :۶۹/۱ و غایۃ المرام للالبانی' ح :۴)

﴿ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً ﴾ (البقرة۲/ ۲۳۷)

"اور تم ان کے لیے مہر مقرر کر چکے ہو۔"

نیز ارشاد ہے

﴿ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ﴾

(البقرة۲/ ۱۹۷)

"جو شخص ان مہینوں میں اپنے اوپر حج کو لازم کرے اور پختہ نیت کی ہو تو وہ اختلاط بالنساء، شہوت انگیز حرکت، فسق اور جدال سے بچ کر رہے۔"

نیز ارشاد ہے:

﴿ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ﴾ (التوبة۹/ ٦٠)

"(صدقات، زکوٰۃ و خیرات فلاں فلاں کا حق ہے) اور یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر اور فرض ہے۔"

امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک عامل کو خط لکھا تو فرمایا:

«هٰذِهِ فَرِيضَةُ الصَّدَقَةِ الَّتِي فَرَضَ رَسُولُ اللهِ ﷺ عَلَى الْمُسْلِمِينَ»

(صحيح البخاري، الزكاة، باب زكاة الغنم، ح: ١٤٥٤)

"یہ مقدار فریضۂ زکوٰۃ ہے جو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں پر فرض کیا ہے۔"

نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ سب فرائض ہیں۔ فرائض کی پابندی بڑی لازم اور ضروری ہے۔ فرائض کے ترک کرنے سے آدمی گناہ گار اور فرائض کا انکار یا استخفاف کرنے والا اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ فرض کو واجب بھی کہا جاتا ہے۔

بعض حضرات فرض اور واجب میں تفریق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو وہ فرض ہے اور جس کا حکم رسول اللہ ﷺ دیں وہ واجب ہے۔ یعنی جس حکم کی دلیل قطعی ہو وہ فرض ہے اور جس کی دلیل ظنی ہو وہ واجب ہے۔ حالانکہ شریعت میں ایسی کوئی تفریق نہیں۔ آنحضرت ﷺ نے جو حکم دیا اس کی پابندی بھی ازحد ضروری ہے۔ مثلاً آپ کا ارشاد گرامی ہے:

«وَاعْفُوا اللُّحٰی»

"داڑھیاں بڑھاؤ۔"

چونکہ یہ آپ کا حکم ہے لہٰذا یہ فرض ہے اور داڑھی رکھنا ضروری ہے۔ لہٰذا فرائض اور واجبات دونوں کی اہمیت مسلم ہے۔ جن امور کا حکم کتاب و سنت میں وارد ہو' وہ فرائض ہیں۔ فرائض میں کمی بیشی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ فرائض کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ فرائض مقرر کیے ہیں انہیں ضائع نہ کرو۔

(۲) حدود اس حدیث کے مطابق شرعی احکام کی دوسری قسم حدود ہے۔ حدود' حد کی جمع ہے۔ حد رکاوٹ کو کہتے ہیں مثلاً [حدالدار] مکان کی حد یعنی دیوار' حد ممنوعہ چیز کو بھی کہتے ہیں مثلاً:

﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾ (البقرۃ۲/ ۲۲۹)

"یہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز مت کرو۔"

قتل' چوری' شراب نوشی' زنا' جادوگری' ان جرائم کا مرتکب جس سزا کا موجب ہوتا ہے اسے بھی "حد" کہتے ہیں۔ یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزا کو حد کہا جاتا ہے۔

(۳) محرمات اس حدیث کی رو سے شرعی احکام کی ایک قسم محرمات ہیں۔ یعنی وہ امور جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دے کر لوگوں کو اس سے منع کیا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَن تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ﴾ (المائدۃ۵/ ۳)

"مرا ہوا جانور' بہتا ہوا خون' سور کا گوشت' اور جس چیز پر اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے' اور جو جانور گلا گھٹ کر مرجائے' اور جو چوٹ لگنے سے مرجائے' اور جو گر کر مرجائے' اور جو سینگ لگ کر مرجائے یہ سب جانور تمہارے لئے حرام ہیں۔ اسی طرح جس جانور کو درندے پھاڑ کھائیں الآیہ کہ تم اسے اس کے مرجانے سے

قبل ذبح کرلو اور اسی طرح جو جانور تھان (مزار وغیرہ) پر ذبح کیا جائے (وہ بھی حرام ہے) اور تیروں سے قسمت کے احوال معلوم کرنا بھی تمہارے لیے حرام ہے۔"

بعض عورتوں سے نکاح کرنے کی شرعاً اجازت نہیں۔ ان رشتوں کو بھی قرآنی اصطلاح میں حرام کہا گیا ہے۔

﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَٰتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَٰتُكُمْ وَعَمَّٰتُكُمْ وَخَٰلَٰتُكُمْ وَبَنَاتُ ٱلْأَخِ وَبَنَاتُ ٱلْأُخْتِ وَأُمَّهَٰتُكُمُ ٱلَّٰتِيٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَٰتُكُم مِّنَ ٱلرَّضَٰعَةِ وَأُمَّهَٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَٰٓئِبُكُمُ ٱلَّٰتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَآئِكُمُ ٱلَّٰتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُواْ دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَٰٓئِلُ أَبْنَآئِكُمُ ٱلَّذِينَ مِنْ أَصْلَٰبِكُمْ وَأَن تَجْمَعُواْ بَيْنَ ٱلْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿٢٣﴾ ۞ وَٱلْمُحْصَنَٰتُ مِنَ ٱلنِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَٰنُكُمْ ﴾

(النساء٤/ ٢٣_٢٤)

"اور تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں، تمہاری رضاعی مائیں، رضاعی بہنیں، ساسیں اور تمہاری مدخولہ عورت کی لڑکیاں جو تمہاری زیر تربیت و کفالت ہیں (اگر عورت غیر مدخولہ ہو تو اس کی بیٹی سے نکاح کر لینے میں کوئی حرج نہیں) اور تمہارے بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا حرام ہے۔ ہاں! جو اس سے قبل ہو چکا ہے وہ معاف ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا ہے اور اسی طرح شوہر والی عورتیں بھی تم پر حرام ہیں البتہ لونڈیاں حلال ہیں۔"

﴿ وَأَحَلَّ ٱللَّهُ ٱلْبَيْعَ وَحَرَّمَ ٱلرِّبَوٰاْ ﴾ (البقرة٢/ ٢٧٥)

"اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔"

حدود اللہ کی پابندی بھی از حد ضروری ہے۔ قرآن کریم میں حد سے تجاوز کر جانے کو ظلم

سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٢٩﴾ ﴾ (البقرة۲/ ۲۲۹)

"جو لوگ اللہ تعالیٰ کی حدود سے تجاوز کرتے ہیں وہ ظالم ہیں۔"

﴿ وَمَن يَتَعَدَّ حُدُودَ ٱللَّهِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُۥ ﴾ (الطلاق۶۵/ ۱)

"جو اللہ تعالیٰ کی حد سے تجاوز کرے اس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔"

حدود کی اسی اہمیت کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے کچھ حدود مقرر فرمائی ہیں' پس ان سے تجاوز نہ کرو۔" یہی بات قرآن کریم میں یوں بیان فرمائی گئی ہے۔

﴿ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿٨٧﴾ ﴾ (المائدة۵/ ۸۷)

"حد سے نہ گزرو بے شک اللہ تعالیٰ حد سے گزر جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

(۴) مسکوت عنہا

اس حدیث میں احکام کی چوتھی قسم "مسکوت عنہا" بیان کی گئی ہے۔ یعنی ایسے امور جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ازراہِ لطف وکرم خاموشی اختیار کی۔ اس کے متعلق بھول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لیے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ بیان فرما دیا اسی پر خاموش رہنا چاہیئے مزید کریدنا اور بال کی کھال اتارنا درست نہیں۔ وہ سب مباح اور حلال ہیں۔ خواہ مخواہ اشکال پیدا کرنا اور دوسرے کا محض امتحان لینے کے لیے سوال کرتے چلے جانا مذموم ہے۔ البتہ کسی مسئلے کی توضیح اور علم میں اضافہ کی نیت سے سوال کیا جائے تو کوئی حرج کی بات نہیں۔ صحابہ کرام مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آکر پیش آمدہ مختلف مسائل پیش کر کے حل دریافت کر لیا کرتے تھے۔

ایک دن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: لوگو! اللہ تعالیٰ نے تم پر بیت اللہ کا حج فرض کر دیا ہے۔ ایک آدمی نے کھڑے ہو کر پوچھا: اللہ تعالیٰ کے رسول! کیا ہر سال؟ آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا: میں اگر ہاں کر دیتا تو یہ ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم عمل نہ کر سکتے۔ (سنن ابی داود' المناسک' باب فرض الحج' ح:۱۷۲۱ و مسند احمد ۲۵۵/۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے:

«ذَرُونِي مَا تَرَكْتُكُمْ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ

وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَاءِهِمْ»(سنن ابن ماجه، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله ﷺ، ح:٢)

''میں تمہیں جس امر میں جہاں چھوڑ دوں تم مجھے رہنے دیا کرو۔ اور مزید پوچھ گچھ نہ کیا کرو کیونکہ تم سے پہلے لوگ انبیاء سے سوالات اور ان سے اختلاف ہی کے سبب ہلاک ہوئے تھے۔''

۳۱۔ زہد کی حقیقت و فضیلت

عَنْ أَبِي الْعَبَّاس سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ! دُلَّنِي عَلٰى عَمَلٍ إِذَا عَمِلْتُهُ أَحَبَّنِيَ اللهُ وَأَحَبَّنِي النَّاسُ، فَقَالَ: «ازْهَدْ فِي الدُّنْيَا، يُحِبَّكَ اللهُ، وَازْهَدْ فِيمَا فِي أَيْدِي النَّاسِ يُحِبَّكَ النَّاسُ»(حديث حسن رواه ابن ماجه وغيره بأسانيد حسنة)

سیدنا ابو العباس سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا: یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا عمل بتلائیے جب اسے بجالاؤں تو اللہ تعالیٰ اور تمام لوگ مجھ سے محبت کریں۔ آپ نے فرمایا: ''دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور لوگوں کے پاس جو کچھ ہے اس سے بے نیاز رہو لوگ تم سے محبت کریں گے۔''

تخريج: سنن ابن ماجه، الزهد، باب الزهد في الدنيا، ح:٤١٠٢ والمستدرك على الصحيحين للحاكم: ٤/ ٣١٣ واللفظ له.

شرح الالفاظ : [أَحَبَّنِيَ اللّٰهُ] اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت کرے۔ [وَأَحَبَّنِيَ النَّاسُ] لوگ مجھ سے محبت کریں۔ [اِزْهَدْ] زہد کا لغوی معنی: کسی چیز کو حقیر جانتے ہوئے اس سے اعراض کرنا اور شرعاً جس چیز کا حلال اور جائز ہونا یقینی ہو اسے بقدر ضرورت حاصل کرنا "زہد" کہلاتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے زہد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا: حلال کو اپنے اوپر حرام کر لینا یا مال کو ضائع کرنا زہد نہیں بلکہ حقیقی زہد یہ ہے کہ اپنے وسائل کی بجائے اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور یقین کیا جائے۔ [يُحِبُّكَ النَّاسُ] چونکہ دنیا لوگوں کی محبوب اور دل پسندیدہ ہے۔ لہٰذا جب تو ان کی پسندیدہ اور محبوب چیز سے اعراض کرے گا وہ تجھ سے محبت کریں گے کیونکہ جب انسان کسی کے ساتھ اس کی پسندیدہ چیز میں شریک نہ ہو تو وہ اس سے محبت کرتا ہے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کا ارشاد ہے: انسان لوگوں کی نظروں میں اس وقت تک معزز رہتا ہے جب تک ان کے اموال کا لالچی نہ ہو۔

تشریح : اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے زہد کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

جو شخص اپنے آپ کو دنیا ہی میں مشغول و مصروف کر لے تو وہ صرف دنیا کا ہو کر رہ جاتا ہے اور آخرت کی طرف سے غافل ہو جاتا ہے اس لئے اپنے آپ کو دنیا کی زیب و زینت میں الجھا نہیں لینا چاہیئے۔ بلکہ انسان کی زندگی کا اصل مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور آخرت کی کامیابی کا حصول ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ﴿٥٦﴾ ﴾ (الذاريات٥١/ ٥٦)

"میں نے جن و انس کو صرف اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔"

دنیا اور دنیا کا ساز و سامان اللہ تعالیٰ کے ہاں انتہائی مذموم بلکہ ملعون ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلاَّ ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالاَهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ» (جامع الترمذي، الزهد، باب:١٤، ح:٢٣٢٢ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، ح:٤١١٢)

"یہ دنیا اور جو کچھ اس میں ہے سب ملعون (مذموم) ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد کے اور

جو اللہ تعالیٰ کے ذکر کا ذریعہ ہو اور سوائے عالم اور متعلم کے۔"

حضرت مستورد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "آخرت کے مقابلہ میں دنیا کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ جیسے کوئی سمندر میں انگلی ڈبو کر نکال لے اور موازنہ کرے کہ اس کی انگلی کو جس قدر پانی لگا اسے سمندر سے کیا نسبت ہے؟" (جامع الترمذی' الزھد' ح:۲۳۲۳)

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَوْ كَانَتِ الدُّنْيَا تَعْدِلُ عِنْدَ اللهِ جَنَاحَ بَعُوضَةٍ مَا سَقٰى كَافِرًا مِّنْهَا شَرْبَةَ مَاءٍ»(جامع الترمذي، الزهد، باب ما جاء في هوان الدنيا على الله عزوجل، ح: ٢٣٢٠)

"اگر اس دنیا کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے نزدیک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو اللہ تعالیٰ کسی کافر کو پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔"

دنیا تو محض کھیل کود کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَا هَٰذِهِ ٱلْحَيَوٰةُ ٱلدُّنْيَآ إِلَّا لَهْوٌ وَلَعِبٌ ۚ وَإِنَّ ٱلدَّارَ ٱلْـَٔاخِرَةَ لَهِىَ ٱلْحَيَوَانُ﴾ (العنكبوت٢٩/ ٦٤)

"دنیا کی زندگی تو محض کھیل کود ہے اور آخرت کی زندگی ہمیشہ کی ہے۔"

اگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا اور دولت کی کچھ قدر ہوتی تو انبیاء کرام کو ضرور زیادہ دولت ملتی۔ مگر ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر انبیاء کرام کی زندگی فقر و غربت میں بسر ہوئی۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تنگدستی میں زندگی بسر کی' آپ کے پاس دولت جمع نہ ہو سکی اگر کبھی مال غنیمت کی صورت میں کچھ مال آ جاتا تو آپ فوراً تقسیم فرما دیتے۔ آپ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو اس وقت آپ کی زرہ خوراک کے عوض ایک یہودی کے پاس رہن رکھی ہوئی تھی۔ جو شخص اپنے آپ کو دنیا میں مصروف کر لیتا ہے وہ گویا دنیا کا بندہ بن جاتا ہے۔ ایسے شخص کے بارے میں آپ نے فرمایا:

«تَعِسَ عَبْدُ الدِّينَارِ وَالدِّرْهَمِ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب ما يُتقٰى من فتنة

المال، ح: ٦٤٣٥)

"درہم ودینار کا بندہ تباہ ہو گیا۔"

دنیا میں انسان کو چاہیئے کہ اپنے سے برتر کی بجائے اپنے سے کم تر کی طرف دیکھے اور اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ» (صحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن المؤمن وجنة الكافر، ح: ٢٩٥٦)

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

جو شخص دنیا سے بے رغبت ہو جائے اسے یقیناً اللہ تعالیٰ کی محبت اور لوگوں کی محبت نصیب ہو جاتی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں یہی بات ارشاد فرمائی' سائل نے کہا: آپ مجھے کوئی ایسا عمل بتائیں جس کے کرنے سے اللہ تعالیٰ اور تمام لوگ مجھ سے محبت کریں۔ تو آپ نے فرمایا: دنیا سے بے رغبت ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا اور جو کچھ لوگوں کے پاس ہے اس سے بے نیاز رہو لوگ تم سے محبت کریں گے۔

٣٢۔ ضرر رسانی اور بطور انتقام ضرر سے احتراز

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ سَعْدِ بْنِ سِنَانٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لاَ ضَرَرَ وَلاَ ضِرَارَ»(حديث حسن رواه ابن ماجه والدارقطني وغيرهما مسندا، ورواه مالك في الموطأ عن عمرو بن يحيى عن أبيه عن النبي ﷺ مُرْسَلاً فأسقط أبا سعيد، وله طرق يقوى بعضها ببعضٍ)

سیدنا ابو سعید سعد بن سنان خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "کسی کو ضرر پہنچاؤ نہ ضرر کا انتقام لو۔"

یہ حدیث حسن ہے اسے امام ابن ماجہ اور دار قطنی وغیرہ نے باسند روایت

کیا ہے البتہ امام مالک نے اس حدیث کو ''موطا'' میں بطریق عمرو بن یحیٰ عن ابیہ عن النبی ﷺ روایت کیا ہے اور حضرت ابو سعید کا واسطہ ترک کر دیا ہے۔ اس حدیث کی اور بھی بہت سی سندیں ہیں ان تمام کے ملنے سے اسے تقویت ملتی ہے۔

تخریج: سنن الدارقطني: ٣/ ٧٧ و ٤/ ٢٢٨ وسنن ابن ماجه، الأحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، لكن من رواية عبادة بن الصامت وابن عباس، ح: ٢٣٤٠، ٢٣٤١ وموطأ الإمام مالك: ٢/ ٧٤٥.

شرح الالفاظ: [لَاضَرَرَ] یہ لفظ ضَرَّۃٌ اور ضَارَّۃٌ سے مشتق ہے ضُر نفع کی ضد ہے اس کا معنی ہے کہ کسی کو ضرر نہ پہنچاؤ اور مطلقاً کسی کا کوئی نقصان نہ کرو۔ [وَلَا ضِرَارَ] کسی کو انتقاماً ضرر نہ پہنچاؤ۔

تشریح: دین اسلام میں حسن معاشرت پر بڑا زور دیا گیا ہے اور مسلمانوں کو اس کی ازحد تلقین کی گئی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ایک ارشاد گرامی ہے:

«اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِّسَانِهِ وَيَدِهِ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده، ح: ١٠)

''مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔''

یعنی وہ کسی کو دکھ' تکلیف اور ایذا نہ پہنچائے۔ ایک اور حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ''قسم اللہ کی وہ شخص ایمان دار نہیں جس کے ہمسائے اس کی ایذاؤں سے محفوظ نہ ہوں۔''

(صحيح البخاري الادب' ح:٦٠١٦)

اس حدیث میں بھی اس مفہوم کو باختلاف الفاظ یوں بیان فرمایا کہ: اسلام میں کسی کو ضرر پہنچانا جائز نہیں اور اگر کسی نے ضرر پہنچایا ہو تو اس کے بدلے میں بھی ضرر نہیں پہنچانا چاہیئے۔ مسلمانوں کو دوسرے پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ بلکہ زیادتی کرنے والے اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہیں۔ دشمنانِ دین کے ساتھ جہاد و قتال کے مواقع پر بھی اصولوں کو مد نظر رکھنے کا حکم ہے اس صورت میں بھی زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی۔ فرمایا:

﴿ وَقَٰتِلُوا۟ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ ٱلَّذِينَ يُقَٰتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوٓا۟ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يُحِبُّ ٱلْمُعْتَدِينَ ﴿١٩٠﴾ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٠)

"تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے قتال کرو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو' بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔"

مزید فرمایا:

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَـَٔانُ قَوْمٍ أَن صَدُّوكُمْ عَنِ ٱلْمَسْجِدِ ٱلْحَرَامِ أَن تَعْتَدُوا۟ ﴾ (المائدة٥/ ٢)

"جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا ان کی دشمنی تمہیں زیادتی پر نہ اکسائے۔"

اگر کسی نے زیادتی کی ہو اور انسان معاف کرنے کی بجائے بدلہ لینے ہی پر مصر ہو تو اسے اسی قدر بدلہ لینے کا حق ہے جس قدر فریق مخالف نے زیادتی کی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ فَٱعْتَدُوا۟ عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا ٱعْتَدَىٰ عَلَيْكُمْ ۚ ﴾ (البقرة٢/ ١٩٤)

"جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اسی قدر زیادتی کرو جس قدر اس نے تم پر زیادتی کی۔"

ایک دفعہ کچھ یہودی آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پیش ہوئے ان لوگوں کی عادت تھی کہ وہ مسلمانوں سے ملتے تو السلام علیکم کہنے کی بجائے السام علیکم کہتے تھے اور یہ بددعا کا کلمہ ہے۔ انہوں نے حسب عادت السام علیکم کہا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ کلمہ سنا تو غضبناک ہو گئیں اور جواباً کہا: بَلْ عَلَيْكُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَةُ تم ہم پر موت کی بددعا کرتے ہو ہم پر نہیں "بلکہ تم پر موت آئے اور لعنت ہو۔"

دوسری روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اَلسَّامُ عَلَيْكُمْ وَلَعَنَكُمُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَيْكُمْ "تم پر موت آئے' تم پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور اس کا غضب ہو۔"

حالانکہ اس موقع پر یہود کی زیادتی تھی اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کلمات کے کہنے سے روک دیا اور تنبیہ فرمائی کہ:

«مَهْ يَا عَائِشَةُ! فَإِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْفُحْشَ وَالتَّفَحُّشَ»(صحيح مسلم، السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الكتاب بالسلام، ح: ٢١٦٥)

”عائشہ! ایسے بالکل نہ کہو‘ اللہ تعالیٰ بد کلامی اور فحش گوئی کو پسند نہیں کرتا۔“

ہماری دعا ان کے حق میں مقبول اور ان کی بد دعا ہمارے حق میں مقبول نہیں۔ بعض اوقات کچھ لوگ کسی وجہ سے اپنی بیوی کو تنگ کرتے ہیں اسے نہ تو بیوی کی حیثیت سے رکھتے ہیں اور نہ طلاق دیتے ہیں۔ چونکہ یہ معاملہ سراسر ظلم اور زیادتی کا ہے۔ چنانچہ اس سے منع فرمایا گیا۔

﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا﴾ (البقرة۲/ ۲۳۱)

”پس تم انہیں صحیح طور پر بساؤ یا حسن سلوک کے ساتھ رخصت کرو‘ انہیں ضرر پہنچانے اور زیادتی کرنے کے لیے پابند نہ رکھو۔“

اسی طرح کسی کی وفات کے بعد اس کی جائداد تقسیم کرتے وقت کسی کو ضرر پہنچانے کی خاطر اس کے مقررہ حصے میں کمی کرنے کی اجازت نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ﴾ (النساء٤/ ١٢)

”میت کی جائیداد‘ اس کی وصیت کو پورا کرنے اور اس کا قرض ادا کرنے کے بعد تقسیم کی جائے اور کسی کو ضرر نہ پہنچایا جائے۔“

اور اگر مرنے والے نے کوئی خلاف شرع وصیت کر دی ہو یا وہ عمداً کسی وارث کے حصہ میں کمی کرنے اور کسی کو نقصان پہنچانے کی خاطر وصیت کر جائے تو یہ بھی ناجائز ہے۔

لوگوں کو ظلم اور زیادتی سے روکنے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ ضَارَّ أَضَرَّ اللهُ بِهِ وَمَنْ شَاقَّ شَاقَّ اللهُ عَلَيْهِ»(سنن أبي داود، القضاء، باب في القضاء، ح: ٣٦٣٥ وجامع الترمذي، البر والصلة، باب ما جاء في الخيانة والغش، ح: ١٩٤٠ وسنن ابن ماجه، الإحكام، باب من بنى في حقه ما يضر بجاره، ح: ٢٣٤٢)

”جو شخص کسی کو ضرر پہنچائے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے نقصان پہنچائے گا اور جو کسی کو مشقت میں ڈالے اس کے بدلے اللہ تعالیٰ اسے مشقت میں ڈالے گا۔“

ضرر اور ضرار کی حرمت کی بناء پر آنحضرت ﷺ نے پیش نظر حدیث میں یہ اسلامی اصول بیان فرمایا ہے جس سے فقہاء نے بہت سی جزئیات کا استنباط کیا ہے۔

۳۳۔ اثبات دعویٰ

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «لَوْ يُعْطَى النَّاسُ بِدَعْوَاهُمْ، لَادَّعَى رِجَالٌ أَمْوَالَ قَوْمٍ وَدِمَاءَهُمْ، وَلٰكِنَّ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ»(حديث حسن، رواه البيهقي وغيره هكذا، وبعضه في الصحيحين)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر لوگوں کو ان کے دعویٰ کے مطابق (بلا تحقیق) دے دیا جائے تو لوگ دوسروں کے اموال اور خون پر دعوے کرنے لگیں لہٰذا اصول یہ ہے کہ مدعی ثبوت پیش کرے اور مدعا علیہ اگر انکاری ہو تو قسم اٹھائے۔''

تخریج: السنن الكبرىٰ للبيهقي: ۱۰/ ۲۵۲.

شرح الالفاظ: [اَلْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي] یعنی دعویٰ کو واضح دلائل سے ثابت کرنا مدعی کے ذمہ ہے کیونکہ وہ ظاہر کے خلاف دعوی کر رہا ہے۔ اصل اصول یہ ہے کہ لوگ ذمہ سے بری ہیں جب تک کہ دعوی کو مدلل ثابت نہ کیا جائے۔ [وَالْيَمِيْنُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ] یعنی مدعا علیہ اپنی صفائی میں قسم اٹھائے اور اس کی قسم قبول کی جائے گی کیونکہ اصل اصول براءت کا ذمہ ہے۔

تشریح: یہ حدیث شریعت کے بنیادی قواعد میں سے ہے اور عدالتی معاملات میں انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں انسانوں کے باہمی تنازعات کے حل کیلئے ایک دائمی اصول ذکر فرمایا ہے کہ اگر جج یا قاضی محض دعوی کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ صادر کرنے لگے تو بہت سے لوگ دوسروں کے مال اور خون کے دعوے دائر کر دیں گے۔

اس لیے اصول یہ ہے کہ دلیل و برہان کے بغیر کسی کا دعوی قبول نہیں۔ دیگر شعبہ ہائے زندگی کی طرح اسلام کا نظامِ عدالت بھی ہر لحاظ سے کامل و اکمل اور قرینِ عدل و انصاف ہے۔

اسلامی نظامِ عدالت میں حاکم و محکوم' شاہ و گدا اور امیر و غریب وغیرہ کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ اسلامی قانون کی نگاہ میں سب برابر ہیں عدالتی معاملات میں شرعی قواعد و ضوابط ملحوظ رکھے جاتے ہیں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ مدعی اپنے دعوی کے اثبات میں گواہ پیش کرے اگر وہ گواہ پیش نہ کر سکے اور مدعا علیہ اس کے دعوی کی تصدیق نہ کرتا ہو تو وہ مدعی کو جھوٹا اور اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے حلف اٹھائے اور مدعی کے دعوی کو باطل کرے۔ علمائے سلف و خلف سب اسی اصول کے قائل ہیں۔ باہمی تنازعات و اختلافات کو حل کرنے کے لیے یہ حدیث اساس اور بنیاد ہے۔

اس حدیث سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ کسی چیز پر کسی انسان کے محض دعوی کر دینے کی وجہ سے وہ چیز اس کی ملکیت متصور نہ ہو گی اور نہ اسے دے دی جائے گی بلکہ اسے اپنا دعوی ثابت کرنے کے لیے ثبوت مہیا کرنا ہو گا۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی سچا' دیانت دار' متقی یا پرہیزگار کیوں نہ ہو۔ اگر مدعی اپنے دعویٰ کے اثبات میں ثبوت پیش نہ کر سکے تو مدعا علیہ قسم اٹھا کر اپنا حق ثابت کرے گا۔

ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ چوری ہو گئی۔ وہ ایک یہودی کے ہاں پائی گئی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کے خلاف قاضی شریح کی عدالت میں دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے زرہ کی ملکیت کا ثبوت مانگا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے حسن رضی اللہ عنہ اور غلام قنبر کو بطور گواہ پیش کیا۔ قاضی نے کہا! بیٹے کی گواہی باپ کے حق میں اور غلام کی گواہی آقا کے حق میں قبول نہیں۔ آپ کوئی اور ثبوت پیش کریں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوئی دوسرا ثبوت پیش نہ کر سکے۔ چنانچہ قاضی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلاف فیصلہ کرتے ہوئے یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشِ نظر حدیث میں فرمایا کہ اگر لوگوں کے دعویٰ کی بنیاد پر بلا ثبوت ان کے حق میں فیصلہ صادر کر دیا جائے تو لوگ بلاوجہ دوسروں کے مال و

خون کے دعوے کرنے لگیں گے اور معاشرتی نظام تہہ و بالا ہو جائے گا۔ اور لوگ امن و سکون سے نہ رہ سکیں گے۔ چنانچہ اس شرارت بازی کے انسداد کی خاطر اسلام نے مدعی پر گواہ یا واضح ثبوت پیش کرنا لازم ٹھہرایا ہے۔ اور گواہوں یا ثبوت کی عدم دستیابی اور مدعا علیہ کے انکار کی صورت میں مدعا علیہ سے حلف لینا مقرر کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا نظامِ عدالت کس قدر مبنی بر عدل و انصاف ہے۔

۳۴۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ وَذَلِكَ أَضْعَفُ الإِيمَانِ»(رواه مسلم)

سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا: ''تم میں سے جو شخص برائی کو دیکھے وہ اسے اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدلے اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے) اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔''

تخریج: صحيح مسلم، الإيمان، باب كون النهي عن المنكر من الإيمان، ح: ٤٩.

شرح الالفاظ: [مَنْ رَأَى] جو دیکھے [مُنْكَرًا] واجب کا ترک یا حرام کا ارتکاب' وہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اسے منکر (برائی) کہتے ہیں۔ [فَلْيُغَيِّرْهُ] اسے بدلے یہ شرعاً واجب ہے اگر اس کی خبر بہت سے لوگوں کو ہو تو یہ عمل فرض کفایہ ہے ورنہ فرض عین۔ [أَضْعَفُ الْإِيمَانِ] ثواب اور درجہ کے لحاظ سے یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

تشریح: اس میں رسول اکرم ﷺ نے امت مسلمہ کے ہر فرد کو خطاب کرتے ہوئے اس کی ذمہ داری بیان فرمائی ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شخص برا کام ہوتا دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ یعنی طاقت سے بدل دے۔ یعنی لوگوں کو اس برائی سے روکے اگر اسے اس قدر استطاعت نہ ہو تو پھر زبان سے اسے روکنے کی ضرور سعی کرے' اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو کم از کم اس برائی کو اپنے دل میں ضرور برا جانے۔ البتہ یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر امت کے ہر فرد کا فریضہ ہے۔ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے کہ امت میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو یہ کام سرانجام دیتی رہے۔

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿١٠٤﴾﴾ (آل عمران۳/ ۱۰۴)

"تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے' یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔"

اس آیت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہمیت و فضیلت کا خوب پتہ چلتا ہے کہ امت میں اس عمل کو انجام دینے والے گروہ کا موجود رہنا اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ نیز وہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیاب ہونے والے ہیں جو یہ کام کریں گے۔ امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ایک خصوصیت اور وصف یہ بھی ہے کہ یہ لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (آل عمران۳/ ۱۱۰)

"تم ایک بہترین امت ہو جنہیں لوگوں کی بھلائی' خیر خواہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے تم نیکی کا حکم کرتے اور برائی سے روکتے ہو۔"

یہ عمل اس لیے بھی فضیلت و اہمیت والا ہے کہ اکرم الاولین و الآخرین سید البشر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا منصب بھی یہی تھا' جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

﴿ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ ﴾ (الأعراف٧/ ١٥٧)

"یہ نبی لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں۔"

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اہل ایمان کا یہی وصف بیان فرمایا ہے:

﴿ وَٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُقِيمُونَ ٱلصَّلَوٰةَ وَيُؤْتُونَ ٱلزَّكَوٰةَ وَيُطِيعُونَ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥٓ أُوْلَٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ ٱللَّهُ إِنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٧١﴾ ﴾

(التوبة٩/ ٧١)

"اور مومن مرد اور مومن عورتیں دونوں ایک دوسرے کے ساتھی ہیں یہ اچھے کام کرنے کا حکم دیتے اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔ نماز پڑھتے' زکوٰۃ دیتے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

یہ عمل اس قدر اہمیت کا حامل ہے کہ مسلمان حکومت اور حکمران کے بنیادی فرائض اور ذمہ داریوں میں بھی اسے ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ وَأَمَرُواْ بِٱلْمَعْرُوفِ وَنَهَوْاْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَلِلَّهِ عَٰقِبَةُ ٱلْأُمُورِ ﴿٤١﴾ ﴾ (الحج٢٢/ ٤١)

"ان لوگوں کو اگر ہم زمین میں دسترس دیں تو یہ نماز کی پابندی کریں' زکوٰۃ ادا کریں' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں اور سب امور کا انجام اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔"

ہر مسلمان بنیادی طور پر مبلغ ہے۔ اس کے پاس علم تھوڑا ہو یا زیادہ' وہ اسے دوسروں تک پہنچانے اور دوسروں کی طرف منتقل کرنے پر مامور ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

«بَلِّغُوا عَنِّي وَلَوْ آيَةً»(صحيح البخاري، الأنبياء، باب ما ذكر عن بني إسرائيل، ح: ٣٤٦١)

"مجھ سے سن کر آگے دوسروں تک پہنچادو خواہ وہ ایک ہی آیت (حکم) ہو۔"

حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ نے صحابہ کرام کے جم غفیر کو خطاب کیا تو فرمایا:

«لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ» (صحيح البخاري، العلم، باب قول النبي ﷺ رب مبلغ اوعى من سامع، ح:٦٧ وصحيح مسلم، القسامة، باب تغليظ تحريم الدماء، ح:١٦٧٩)

"(تم میں سے) جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ یہ احکام ان لوگوں تک پہنچا دیں جو یہاں موجود نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ دین' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر صرف علماء' خطباء اور واعظین ہی کی ذمہ داری نہیں بلکہ ہر مسلمان کو اپنی ہمت' علم اور استطاعت کے مطابق یہ فریضہ سرانجام دیتے رہنا چاہیئے' کوئی شخص عمل کرے یا نہ کرے' قبول کرے یا نہ کرے' بیان کرنے والے کا فرض ادا ہو جاتا ہے۔

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص برا کام ہوتا دیکھے تو اسے ہاتھ سے تبدیل کرے اگر یہ ممکن نہ ہو تو زبان سے روکے' اس کی مذمت کرے' برا بھلا کہے تاکہ وہ شخص اس برائی سے باز آ جائے۔ اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم اس گناہ کو دل سے برا تصور کرے اور اسے نفرت و حقارت کی نگاہ سے دیکھے اور دل میں عہد رکھے کہ جب بھی قدرت ہوئی اسے زبان اور ہاتھ سے روکنے کی کوشش کرے گا۔ یہ تیسری صورت ضعیف ترین ایمان کی علامت ہے۔ اور پہلی دونوں صورتیں اعلیٰ و افضل ہیں۔

بعض لوگ خود برائی نہیں کرتے کسی کو گناہ کرتے دیکھیں تو روکتے بھی نہیں کہ اس سے ہمیں کیا ہوتا ہے؟ ہم اسکے سامنے برے کیوں بنیں؟ وہ اس خوش فہمی میں ہوتے ہیں کہ ہم تو گناہ نہیں کر رہے حالانکہ وہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے تارک ہو کر گناہ گار بن رہے ہوتے ہیں۔ اگر وہ ان لوگوں کو گناہ سے روکیں تو خود بھی نجات پا جائیں گے اور دوسروں کو بھی تباہی سے بچا لیں گے۔ ورنہ وہ سب تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ نبی ﷺ نے یہ بات ایک واضح مثال دے کر بیان فرمائی ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی حدود کے بارے میں مداہنت کرنے والے اور ان میں واقع ہو جانے والے کی مثال ان لوگوں کی مانند ہے جو ایک کشتی میں سوار ہوں ان میں سے بعض اوپر والے حصے میں سوار ہوں اور بعض نیچے والے حصے میں۔ نیچے والے پانی وغیرہ لینے کے لیے اوپر والوں کے پاس جائیں تو وہ ان کے آنے پر تنگی محسوس کریں اور ناگواری کا اظہار کریں تو نیچے والے ان کے پاس جانے کی بجائے پانی لینے کے لیے کشتی کی تہہ میں سوراخ کر لیں تاکہ سمندر سے پانی حاصل کر سکیں اور اوپر والے کہیں یہ سوراخ کیوں کرتے ہو وہ کہیں کہ تمہیں ہماری وجہ سے تکلیف ہوتی ہے اور ہمیں پانی کی بہرحال ضرورت ہے اب اگر اوپر والے ان کا ہاتھ روک لیں اور سوراخ نہ کرنے دیں تو سب بچ جائیں گے اور اگر انہیں نہ روکیں تو سب کے سب تباہ ہو جائیں گے۔ (صحیح البخاري' الشركة' ح:۲۴۹۳)

جو لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا نہیں کرتے ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے اور ان کی کوئی دعا قبول نہیں ہوتی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کی قسم! تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو ورنہ تم پر اللہ کا عذاب نازل ہو گا پھر تم اسے پکارو گے اور تمہاری دعائیں قبول نہ ہوں گی۔" (جامع الترمذی' الفتن' باب ما جاء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر' ح:۲۱۶۹)

جو لوگ قدرت کے باوجود لوگوں کو برائی سے نہیں روکتے ان پر دنیا ہی میں عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: "جب کوئی قوم معاصی کی مرتکب ہوتی ہے اور لوگ قدرت کے باوجود انہیں گناہ سے نہیں روکتے تو دنیا میں ان پر عذاب الٰہی مسلط کر دیا جاتا ہے۔" (سنن ابی داود' الملاحم' باب الامر والنھی' ح:۴۳۳۹)

اسی طرح گناہ کو دیکھ کر اسے برا نہ سمجھنے والا اللہ تعالیٰ کے ہاں اس گناہ میں شریک سمجھا جاتا ہے۔ حضرت عُرس بن عَمیرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"جب زمین پر گناہ کیے جائیں اور جو شخص وہاں موجود ہو' وہ دل میں اس گناہ کو برا

سمجھے تو وہ ایسے ہے گویا وہاں موجود ہی نہیں اور اس کے برعکس کوئی شخص وہاں موجود نہیں اور اس گناہ کو برا بھی نہ سمجھے تو وہ ایسے ہے گویا اس گناہ میں شریک ہے۔ (سنن ابی داود' الملاحم' باب الامر والنھی ح:۴۳۴۵)

لوگوں کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا لیکن خود عمل نہ کرنا بھی بہت بڑا گناہ ہے۔

یہود کا طریقہ تھا کہ وہ دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے اور خود عمل نہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا:

﴿ أَتَأْمُرُونَ ٱلنَّاسَ بِٱلْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٤٤﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٤٤)

"کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھلا دیتے ہو (یعنی خود عمل نہیں کرتے) حالانکہ تم اللہ تعالیٰ کی کتاب پڑھتے ہو۔ کیا سوچتے نہیں۔"

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک شخص کو قیامت کے دن لا کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا' جہنم میں اس کی آنتیں باہر نکل آئیں گی اور وہ یوں چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کے گرد گھومتا ہے۔ جہنمی اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور کہیں گے جناب! یہ کیا؟ آپ تو ہمیں نیکی کا حکم کرتے اور برائیوں سے روکا کرتے تھے۔ آپ کا یہ انجام کیوں؟ تو وہ کہے گا: میں تمہیں نیکی کا حکم دیا کرتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا۔ اور میں تمہیں برائی سے روکا کرتا تھا لیکن خود باز نہ آتا تھا۔" (صحيح البخاري بدء الخلق' ح:۳۲۶۷)

۳۵۔ اسلامی معاشرت کے اصول

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «لاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَنَاجَشُوا، وَلاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَلاَ يَبِعْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَيْعِ بَعْضٍ، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا، الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ، وَلاَ

يَخْذُلُهُ، وَلاَ يَحْقِرُهُ، التَّقْوٰى هٰهُنَا» وَيُشِيرُ إِلٰى صَدْرِهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ «بِحَسْبِ امْرِئٍ مِّنَ الشَّرِّ أَنْ يَّحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ، كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ» (رواه مسلم)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ کوئی چیز خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور کوئی دوسرا شخص خرید رہا ہو تو خواہ مخواہ بولی میں حصہ لے کر قیمت نہ بڑھاؤ کہ وہ چیز اسے مہنگی ملے۔ آپس میں بغض نہ رکھو۔ ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ کسی کی بیع پر کوئی شخص بیع نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ کے بندو! بھائی بھائی بن کر رہو۔ مسلمان مسلمان کا بھائی ہے وہ اس (مسلمان بھائی) پر ظلم کرتا ہے نہ اس کی مدد ترک کرتا ہے اور نہ اسے حقیر سمجھتا ہے۔ آپ نے سینے کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا: تقویٰ یہاں ہے۔ انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان کا خون' مال اور عزت حرام ہے۔"

تخريج: صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله...، ح: ٢٥٦٤.

شرح الالفاظ: [لَا تَحَاسَدُوْا] ایک دوسرے پر حسد نہ کرو۔ دوسرے سے زوال نعمت کی تمنا کرنا حسد کہلاتا ہے۔ اس کی حرمت پر اجماع ہے۔ [وَلَا تَنَاجَشُوْا] تم قیمت میں اضافہ نہ کرو۔ بازار میں کسی چیز کی فروخت کا اعلان ہو رہا ہو۔ خود خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ قیمت بڑھا دینا تاکہ دوسرے کو یہ چیز مہنگی ملے اسے "نجش" کہتے ہیں اور یہ حرام ہے۔ [وَلَا تَبَاغَضُوْا] آپس میں بغض نہ رکھو اور بغض کے اسباب اختیار نہ کرو۔ [وَلَا تَدَابَرُوا] ایک دوسرے کو پشت نہ کرو ایک دوسرے سے منہ نہ موڑو۔ [وَلَا يَخْذُلُهُ]

مسلمان، مسلمان کی جائز نصرت و مدد ترک نہیں کرتا بالخصوص ضرورت و احتیاج کے موقع پر۔ [وَلاَ یَحْقِرُہُ] اسے حقیر نہیں جانتا۔ [بِحَسْبِ] کافی ہے۔

تشریح: اس حدیث میں نبی کریم ﷺ نے انسانی معاشرہ میں پائی جانے والی چند خامیوں، کوتاہیوں اور برائیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ ان باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور نظر انداز کر جاتے ہیں اور کوئی اہمیت نہیں دیتے حالانکہ ان خرابیوں کی وجہ سے معاشرہ اخلاقی انحطاط کا شکار ہو جاتا ہے۔ اصلاح معاشرہ کے لیے ان کوتاہیوں کو زائل کرنا ازحد ضروری ہے۔ تاکہ باہمی الفت و محبت پیدا ہو اور بعد و کدورت دور ہو۔

(۱) حسد

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے حسد سے منع فرمایا ہے کہ ایک دوسرے سے حسد نہ کرو۔ حاسد کی دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ دوسرے آدمی کو جو نعمت میسر ہے وہ اس سے چھن جائے اور مجھے مل جائے۔ حاسد بلاوجہ حسد کی آگ میں جلتا رہتا ہے اور اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

نبی کریم ﷺ نے حسد اور بغض کی مذمت بیان کرتے ہوئے اسے سابقہ امتوں کی بیماری بیان فرمایا۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«دَبَّ إِلَيْكُمْ دَاءُ الْأُمَمِ قَبْلَكُمْ: الْحَسَدُ وَالْبَغْضَاءُ هِيَ الْحَالِقَةُ لاَ أَقُولُ تَحْلِقُ الشَّعْرَ وَلٰكِنْ تَحْلِقُ الدِّينَ» (جامع الترمذي، صفة القيامة، باب في فضل صلاح ذات البين، ح: ٢٥١٠ وإرواء الغليل: ٣/ ٢٣٨)

"تمہارے اندر پہلی امتوں والی بیماری حسد اور بغض سرایت کر گئی ہے۔ آپس میں بغض رکھنا مونڈنے والی بیماری ہے۔ بالوں کو مونڈنے والی نہیں بلکہ دین کو مونڈنے والی یعنی ختم کر دینے والی ہے۔"

نیز آپ نے فرمایا: کسی مسلمان کو روا نہیں کہ کسی دوسرے مسلمان پر حسد کرے۔ البتہ صرف دو آدمیوں پر حسد کرنے کی اجازت ہے۔ ایک جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اسے دن رات خرچ کرتا ہو اور دوسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ نے علم عطا کیا ہو اور وہ دن رات اسے لوگوں تک پہنچاتا اور سناتا ہو۔" (صحيح البخاري، العلم، باب الفهم

فی العلم' ح:۷۳)

اس حدیث میں حسد بمعنی رشک ہے۔ رشک میں کسی سے کسی نعمت کے زوال کی خواہش نہیں ہوتی۔ بلکہ اپنے لیے اس نعمت کے حصول کی خواہش ہوتی ہے۔ جو شخص اپنا دل صاف رکھے اور کسی سے حسد نہ کرے آنحضرت ﷺ نے اسے افضل الناس (سب سے افضل) قرار دیا ہے۔ عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

«قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: أَيُّ النَّاسِ أَفْضَلُ؟ قَالَ: كُلُّ مَخْمُومِ الْقَلْبِ صَدُوقِ اللِّسَانِ، قَالُوا: صَدُوقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُهُ، فَمَا مَخْمُومُ الْقَلْبِ؟ قَالَ: هُوَ التَّقِيُّ النَّقِيُّ لاَ إِثْمَ فِيهِ وَلاَ بَغْيَ وَلاَ غِلَّ وَلاَ حَسَدَ»(سنن ابن ماجه، الزهد، باب الورع والتقوى، ح:٤٢١٦ وانظر الصحيحة للألباني، ح:٩٤٨)

رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا: "سب سے افضل کون ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہر وہ شخص جو مخموم القلب اور صدوق اللسان ہو۔" صحابہ کرام نے کہا ہم صدوق اللسان کا مفہوم تو جانتے ہیں مخموم القلب کون ہوتا ہے؟

آپ نے فرمایا: "وہ شخص جس کا دل خوب صاف ہو' اس میں گناہ بالکل نہ ہو' نہ سرکشی کا مادہ ہو' نہ خیانت ہو اور نہ حسد۔"

(۲) تناجش یہ لفظ "نجش" سے مشتق ہے اس کا معنی شکار کو بھگانا' کسی چیز کو فروخت کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر اس کی تعریف کی جائے یا کسی چیز کی نیلامی کے وقت خود اسے خریدنے کا ارادہ نہ ہو اور خواہ مخواہ اس کی قیمت بڑھانے کے لیے زیادہ بولی لگانا تاکہ دوسرے کو وہ چیز مہنگی ملے یہ نجش کہلاتا ہے۔ چونکہ اس طرح حقیقی خریدار کو دھوکا اور نقصان دیا جاتا ہے اس سے منع فرما دیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ نَهٰى عَنِ النَّجْشِ»(صحيح البخاري، البيوع، باب النجش، ح:٢١٤٢ وصحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه . . .، ح:١٥١٦)

"رسول اللہ ﷺ نے نجش سے منع فرمایا ہے۔"

لیکن اگر کوئی شخص واقعۃً اس چیز کو خریدنے کا ارادہ رکھتا ہو تو اس کے لیے قیمت بڑھانا اور بولی دینا درست ہے۔ بعض تاجر ہر جائز ناجائز طریقے سے دولت کمانے کے حریص ہوتے ہیں۔ کسی چیز کو خریدنے کا ارادہ نہ بھی ہو تو یونہی بولی دے کر چیز کی قیمت بڑھا دیتے ہیں اور فروخت کنندہ سے اس کے عوض کچھ رقم لے لیتے ہیں۔ آپ نے اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں اس عمل سے منع فرما دیا۔

(۳) بغض انسانی معاشرے میں پائی جانی والی ایک برائی کا نام بغض ہے۔ بغض دراصل دل کی اس کیفیت کا نام ہے جو انسان عداوت کی بناء پر دوسرے کے خلاف اپنے دل میں رکھتا ہے۔ بسا اوقات حسد اور بغض مترادف استعمال ہوئے ہیں تاہم دونوں کے درمیان لطیف سا فرق ہے۔

حسد کا متضاد رشک ہے اور بغض کا متضاد محبت' حدیث میں بغض کیلئے "الشحناء" کا لفظ بھی آیا ہے۔ بغض ایسی بیماری ہے کہ اس کی وجہ سے انسان کے اعمال اللہ تعالیٰ کے حضور کوئی قیمت نہیں پاتے اور نہ ایسے آدمی کی بخشش ہوتی ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«تُفْتَحُ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ يَوْمَ الاثْنَيْنِ وَيَوْمَ الْخَمِيسِ فَيُغْفَرُ لِكُلِّ عَبْدٍ لاَ يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا، إِلاَّ رَجُلاً كَانَتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ أَخِيهِ شَحْنَاءُ فَيُقَالُ: أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا، أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا أَنْظِرُوا هٰذَيْنِ حَتَّى يَصْطَلِحَا»(صحيح مسلم، البر والصلة والأدب، باب النهي عن الشحناء، ح: ٢٥٦٥)

"ہر سوموار اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں۔ مشرک کے علاوہ ہر ایک کی بخشش کر دی جاتی ہے۔ سوائے ان دو آدمیوں کے جن کے درمیان کوئی بغض ہو۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جاتا ہے جب تک یہ دونوں صلح نہیں کر لیتے ان کا معاملہ رہنے دو۔ اور یہ تین مرتبہ کہا جاتا ہے۔"

چونکہ بغض انتہائی مذموم خصلت ہے اس لیے اس سے منع فرمایا گیا البتہ احادیث میں یہ اصول بیان کیا گیا ہے کہ اگر بغض وعداوت اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

(۴) تدابر یہ لفظ "دبر" سے مشتق ہے اس کا معنی ہے ایک دوسرے سے منہ موڑنا' اعراض کرنا اور قطع تعلق کرنا۔ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں چوتھی معاشرتی برائی "تدابر" سے منع فرمایا۔ اگر کسی سے ناراضی ہو جائے تو اس سے تین دن سے زیادہ ناراض رہنا اور قطع کلامی کرنا جائز نہیں۔

ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ يَلْتَقِيَانِ فَيُعْرِضُ هٰذَا وَيُعْرِضُ هٰذَا وَخَيْرُهُمَا الَّذِي يَبْدَأُ بِالسَّلَامِ»(صحيح البخاري، الأدب، باب الهجرة، ح:٦٠٧٧ وصحيح مسلم، البر والصلة، باب تحريم الهجر فوق ثلاثة أيام ...، ح:٢٥٦٠ وانظر إرواء الغليل: ٧/ ٩٢)

"کسی مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنے بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی کرے۔ وہ دونوں ملیں تو ایک دوسرے سے منہ پھیر لیں ان میں سے بہتر وہ ہے جو سلام کرنے میں پہل کرے۔"

اگر کسی نے کسی مسلمان بھائی سے قطع تعلق و قطع کلامی کی اور وہ اسی حال میں مر گیا تو جہنم میں جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«لَا يَحِلُّ لِمُسْلِمٍ أَنْ يَهْجُرَ أَخَاهُ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَنْ هَجَرَ فَوْقَ ثَلَاثٍ فَمَاتَ دَخَلَ النَّارَ» (سنن أبي داود، الأدب، باب في هجرة الرجل أخاه، ح: ٤٩١٤ وانظر الإرواء: ٧/ ٩٣)

"کسی مسلمان کو روا نہیں ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی سے تین دن سے زیادہ قطع کلامی رکھے' جس نے تین دن سے زیادہ قطع کلامی رکھی اور وہ اسی حال میں مر گیا تو جہنم میں جائے گا۔"

ایک سال تک کسی سے قطع تعلقی رکھنا اس کے قتل کرنے کے مترادف ہے۔ ابو خراش

السلمی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ هَجَرَ أَخَاهُ سَنَةً فَهُوَ كَسَفْكِ دَمِهِ» (سنن أبي داود، الأدب، باب فيمن يهجر أخاه المسلم، ح: ٤٩١٥ وانظر الصحيحة للألباني: ٩٢٥)

"جو شخص اپنے بھائی کے ساتھ ایک سال تک قطع کلامی رکھے تو یہ عمل اس کا خون بہانے کی مانند ہے۔"

(۵) کسی کی بیع پر بیع کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں ایک اور معاشرتی برائی سے منع فرمایا کہ جب دو شخص خرید و فروخت کر رہے ہوں تو کوئی ان کی بیع پر بیع نہ کرے۔ مثلاً خریدار کسی سے کوئی چیز ایک سو روپے کی خرید رہا ہے تو یہ ان کا معاملہ ختم ہونے سے قبل یا بعد میں کہے کہ میں تمہیں یہی چیز اس سے کم قیمت پر دیتا ہوں۔ یا فروخت کنندہ کو کہے کہ تم یہ ایک سو روپے میں بیچ رہے ہو' تم اسے نہ دو میں اس سے زیادہ میں خریدتا ہوں یہ دونوں طریقے ناجائز اور غلط ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَبِعِ الرَّجُلُ عَلٰى بَيْعِ أَخِيهِ وَلاَ يَخْطُبْ عَلٰى خِطْبَةِ أَخِيهِ إِلاَّ أَنْ يَأْذَنَ لَهُ»(صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم الخطبة على خطبة أخيه... ح: ١٤١٢)

"تم میں سے کوئی اپنے (مسلمان) بھائی کی بیع پر بیع کرے نہ اپنے (مسلمان) بھائی کی شادی کے پیغام پر شادی کا پیغام بھیجے الا یہ کہ (دوسرا شخص) اسے اجازت دے دے۔"

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لاَ يَسُمِ الْمُسْلِمُ عَلٰى سَوْمِ الْمُسْلِمِ» (صحيح مسلم، البيوع، باب تحريم بيع الرجل على بيع أخيه، ح: ١٥١٥)

کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے سودے پر سودا نہ کرے۔

(۶) اخوت

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھٹی نصیحت یہ فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کے بندو! تم آپس میں بھائی بھائی بن کر رہو۔ کیونکہ قرآنی فیصلہ کے مطابق

تمام اہل ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ فرمایا:

﴿ إِنَّمَا ٱلْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات۴۹/ ۱۰)

"تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں۔"

لہٰذا جس طرح ایک بھائی دوسرے بھائی کا خیر خواہ ہوتا ہے اسی طرح ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا خیر خواہ ہونا چاہیئے۔ اور جس طرح بھائیوں کی آپس میں محبت ہوتی ہے تمام اہل ایمان کو آپس میں ایک دوسرے سے اسی محبت و خلوص کا اظہار کرنا چاہیئے۔

ان ہدایات کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اسلامی معاشرت کے چند اسرارورموز کی طرف توجہ دلائی اور فرمایا مسلمان' مسلمان کا بھائی ہے لہٰذا ہر مسلمان کے دوسرے مسلمان پر کچھ حقوق ہیں۔ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کرتا ہے نہ بوقتِ ضرورت اس کا ساتھ چھوڑتا ہے اور کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے دروغ گوئی سے کام لیتا ہے نہ اسے نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا ہے۔

اس کے بعد آپ نے تین بار سینے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: اصل بات تقویٰ ہے اور تقوی یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف یہاں (دل میں) ہوتا ہے۔ اگر دل میں خوف الٰہی ہو تو تمام معاملات سنور جاتے ہیں۔ ورنہ انسان اخلاق قبیحہ کا مرتکب ہوتا رہتا ہے۔

پھر آپ نے تنبیہ فرمائی کہ مسلمان کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے اور نہ ہی اسے نفرت سے دیکھنا چاہیئے۔ انسان کے برا ہونے کے لیے یہی بات کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے۔ آخر میں آپ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کی جان' مال' عزت و آبرو دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔ لہٰذا کوئی مسلمان دوسرے مسلمان کی جان کو نقصان پہنچائے نہ اس کے مال پر دست درازی کرے اور نہ ہی دوسرے کی بے عزتی کرے۔

۳۶۔ حسن معاشرت' تیسیر' ستر عیوب' طلب علم اور عمل کی فضیلت

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ ﷺ قَالَ:
«مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللّٰهُ

عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ، يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ، وَمَنْ سَلَكَ طَرِيقًا يَّلْتَمِسُ فِيهِ عِلْمًا سَهَّلَ اللهُ لَهُ بِهِ طَرِيقًا إِلَى الْجَنَّةِ، وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ، وَيَتَدَارَسُونَهُ بَيْنَهُمْ، إِلاَّ نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ، وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ، وَحَفَّتْهُمُ الْمَلاَئِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ، وَمَنْ بَطَّأَ بِهِ عَمَلُهُ لَمْ يُسْرِعْ بِهِ نَسَبُهُ»(رواه مسلم بهذا اللفظ)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جو شخص کسی مومن کی دنیا میں تکلیف رفع کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکلیفوں میں سے تکلیف رفع فرمائے گا۔ جو شخص کسی تنگدست پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص کسی مسلمان کی عیب پوشی کرے اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی عیب پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے۔

جو شخص طلب علم کی خاطر کوئی راہ چلے اس کے عوض اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان فرمائے گا۔ جب کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے کسی گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوتے ہیں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے ہاں موجود

مخلوق میں کرتا ہے اور جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے اس کا نسب اسے آگے نہیں لا سکتا۔"

تخریج: صحیح مسلم، الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، وعلی الذکر، ح:٢٦٩٩.

شرح الالفاظ: [نَفَّسَ] ہٹائے، دور کرے۔ [كُرْبَةً] ایسی تکلیف جس سے دل غمگین اور پریشان ہو۔ [يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ] تنگدست پر آسانی کرے، اسے ہبہ کر کے یا اسے فراخی تک کی مہلت دے کر۔ [سَتَرَ مُسْلِمًا] یعنی مسلمان کی کسی غلطی یا عیب کا علم ہو جائے تو کسی کو نہ بتائے [يَلْتَمِسُ] طلب کرتا ہے۔ [عِلْمًا] شرعی علم یا عام مسلمانوں کے لیے مفید علم۔ [يَتَدَارَسُونَهُ] ایک شخص پڑھے اور دوسرا سنے تو اسے "مدارست" کہتے ہیں۔ [اَلسَّكِينَةُ] وقار، اطمینان اور سکون۔ [وَغَشِيَتْهُمُ الرَّحْمَةُ] اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں ہر طرف سے گھیر لیتی ہے۔ [حَفَّتْهُمُ الْمَلٰئِكَةُ] رحمت کے فرشتے ان کا احاطہ کر لیتے ہیں۔

تشریح: اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے متعدد مسائل ذکر فرمائے ہیں۔

خدمت خلق

اس میں سب سے پہلے خدمتِ خلق کی فضیلت بیان کی گئی ہے کہ جو شخص دنیا میں کسی مومن کی کوئی تکلیف یا پریشانی رفع کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کی تکالیف اور پریشانیوں کو رفع فرمائے گا۔ اس لیے عام انسانوں بالخصوص مسلمانوں کی خدمت کرتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کی مخلوق حتیٰ کہ جانوروں پر شفقت و رحمت کرنے کا بھی بڑا اجر و ثواب ہے۔

تنگدست پر آسانی کرنا

آپ نے اس حدیث میں دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا کہ جو شخص دنیا میں کسی تنگدست پر آسانی کرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے دنیا و آخرت میں آسانی فرمائے گا۔ جو شخص دوسروں سے خوش اسلوبی کے ساتھ معاملات رکھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کے حق میں رحم کی دعا کرتے ہوئے فرمایا:

«رَحِمَ اللهُ رَجُلًا سَمْحًا إِذَا بَاعَ وَإِذَا اشْتَرٰى وَإِذَا اقْتَضٰى»(صحيح البخاري، البيوع، باب السهولة والسماحة في الشراء والبيع، ح:٢٠٧٦)

"اللہ تعالیٰ اس آدمی پر رحم کرے جو خرید و فروخت کرتے وقت خوش اسلوبی اختیار کرے اور مطالبہ کرتے وقت بھی خوش اسلوبی سے مطالبہ کرے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کے فرشتے تم سے پہلی امتوں کے ایک آدمی کی روح کو ملے' انہوں نے اس سے کہا: کیا تو نے دنیا میں کوئی اچھا کام کیا ہے؟ اس نے کہا: نہیں' فرشتوں نے کہا: یاد کر' تو اس نے کہا: میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا اور اپنے کارندوں کو کہا کرتا تھا کہ جو شخص تنگدست ہو اس سے رعایت کیا کریں اور جو دے سکتا ہو اس سے خوش اسلوبی سے مطالبہ کریں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یہ میرے بندوں کو رعایت دیا کرتا تھا میں اس سے رعایت کرنے کا زیادہ حقدار ہوں لہٰذا تم بھی اس کے ساتھ رعایت کرو۔ (صحیح البخاري' البیوع' باب من أنظر موسِرًا :۲۰۷۷ و صحیح مسلم' البیوع' باب فضل انظار المعسر' ح :۱۵۶۰)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ أَنْظَرَ مُعْسِرًا أَوْ وَضَعَ لَهُ أَظَلَّهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ تَحْتَ ظِلِّ عَرْشِهِ يَوْمَ لاَ ظِلَّ إِلاَّ ظِلُّهُ»(جامع الترمذي، البيوع، باب ما جاء في إنظار المعسر والرفق به، ح:١٣٠٦)

"جو کوئی تنگدست کو رعایت و مہلت دے یا اسے معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسے عرش کا سایہ نصیب فرمائے گا جس دن اس کے سائے کے علاوہ کسی اور چیز کا سایہ نہیں ہو گا۔"

قرآن مجید میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے:

﴿ وَإِن كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ ۚ وَأَن تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٢٨٠﴾ ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٠)

"اگر تنگدست ہے تو اسے آسانی اور سہولت تک مہلت دو اور اگر صدقہ کر دو تو تمہارے حق میں بہت بہتر ہے اگر تمہیں علم ہے۔"

ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کسی سے قرض واپس لینا تھا' انہوں نے مقروض کو تلاش کیا تو وہ چھپ

گیا۔ بالآخر جب ملا تو کہنے لگا میں تنگدست ہوں۔ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا واقعی؟ اس نے کہا ہاں، اللہ کی قسم! تو ابو قتادہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا تھا:

«مَنْ سَرَّهُ أَنْ يُّنْجِيَهُ اللهُ مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ فَلْيُنَفِّسْ عَنْ مُّعْسِرٍ أَوْ يَضَعْ عَنْهُ»(صحيح مسلم، المساقاة، باب فضل إنظار المعسر...، ح:١٥٦٣)

”جسے یہ پسند ہو کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی تکالیف رفع کردے اسے چاہیئے کہ وہ کسی تنگدست کو رعایت دے یا معاف کردے۔“

عیب پوشی ایک مسلمان کو اگر کسی مسلمان کے کسی عیب کا پتہ چل جائے تو اس کی تشہیر کرنے کی بجائے اس پر پردہ ڈالنا اور اسے چھپانا چاہیئے۔ یہ بھی مسلمان کے ساتھ خیر خواہی اور بھلائی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ سَتَرَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ سَتَرَ اللهُ عَوْرَتَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ كَشَفَ عَوْرَةَ أَخِيهِ الْمُسْلِمِ كَشَفَ اللهُ عَوْرَتَهُ حَتَّى يَفْضَحَهُ بِهَا فِي بَيْتِهِ» (سنن ابن ماجه، الحدود، باب الستر على المؤمن، ح:٢٥٤٦، صحيح بالشواهد)

”جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب چھپائے گا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے عیب چھپائے گا اور جو اپنے مسلمان بھائی کے عیب ظاہر کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے عیب ظاہر کرے گا یہاں تک کہ اسے گھر ہی میں رسوا کردے گا۔“

بھائی کی مدد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد فرمایا کہ ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کی مدد کرنی چاہیئے جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرتا رہتا ہے تو، اللہ تعالیٰ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُومًا فَقَالَ رَجُلٌ: يَارَسُولَ اللهِ! أَنْصُرُهُ

إِذَا كَانَ مَظْلُومًا فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ»(صحيح البخاري، الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه . . .، ح: ٦٩٥٢)

"تم اپنے بھائی کی مدد کرو' وہ ظالم ہو یا مظلوم' ایک شخص نے کہا: یارسول اللہ! وہ مظلوم ہو تو اس کی مدد کروں یہ تو ٹھیک ہے' وہ ظالم ہو تو کیسے مدد کروں؟ آپ نے فرمایا: تم اسے ظلم سے باز رکھو تمہاری طرف سے یہی اس کی مدد ہے۔"

فضیلت طلب علم

اس حدیث میں آنحضرت ﷺ نے حصول علم کی فضیلت بھی بیان فرمائی ہے۔ اسلام سے قبل عرب معاشرہ پر جہالت کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ وہ لوگ تعلیم و تعلم سے یکسر بیگانہ تھے۔ آفتابِ اسلام طلوع ہوا تو اس کی اولین شعاؤں نے بے علمی کی ظلمت کا سینہ چھید ڈالا۔ آنحضرت ﷺ پر سب سے پہلی وحی کے الفاظ یہ تھے۔

﴿ اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝١ ﴾ (القلم٩٦/ ١)

"پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔"

طلوعِ اسلام کے وقت مکہ میں کل سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے' لیکن اسلام کی بدولت تعلیم کا رواج اس قدر تیزی سے ہوا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں صحرا نشین بدو' علم کے کاروانوں کی رہبری کرتے نظر آئے۔ یہ علم ہی کی اہمیت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تحصیل علم کی خاطر حضرت خضر کے پاس جانے کا حکم دیا تھا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایک ایک حدیث کی تلاش میں مہینوں کا سفر طے کیا کرتے تھے۔ کثیر بن قیس کا بیان ہے کہ میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص آیا' اس نے کہا: اے ابودرداء! میں مدینۃ الرسول سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں مجھے پتہ چلا ہے کہ آپ' رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث روایت کرتے ہیں' آپ مجھے وہ حدیث بیان فرمادیں۔ اس کے علاوہ یہاں آنے کا میرا کوئی مقصد نہیں۔

تو حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا' آپ فرماتے تھے'

"جو شخص طلب علم کی خاطر سفر طے کرے' اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اسے جنت کے راستے پر چلائے گا اور فرشتے طالب علم کے احترام میں اپنے پروں کو جھکا دیتے ہیں۔ عالم کے لئے زمین و آسمان کی تمام مخلوق یہاں تک کہ پانی میں رہنے والی مچھلیاں بھی مغفرت کی دعا کرتی ہیں۔ ایک عالم کو عابد پر اسی طرح فضیلت حاصل ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کو باقی ستاروں پر۔ بے شک علماء ہی انبیاء کے وارث ہیں' وہ درہم و دینار چھوڑ کر نہیں جاتے بلکہ علم چھوڑ کر جاتے ہیں۔ جس نے یہ حاصل کر لیا اسے عظیم حصہ مل گیا۔" (سنن ابی داود' العلم' باب فی فضل العلم' ح:۳۶۴۱)

اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن

آنحضرت ﷺ نے اجتماعی طور پر تلاوتِ قرآن کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: "کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کے گھر میں کتاب اللہ کی تلاوت اور تعلیم کے لیے جمع ہوں تو ان پر سکینت نازل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے آکر انہیں گھیر لیتے ہیں۔ اور ان لوگوں پر فخر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر اپنے ہاں موجود فرشتوں میں کرتا ہے۔" قرآنِ کریم کی تلاوت باعث خیر و برکت اور اجر و ثواب ہے۔ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قرآنِ کریم کے ایک ایک حرف کے بدلے میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔

اگرچہ انفرادی طور پر گھر میں بیٹھ کر بھی قرآن حکیم پڑھنے کا ثواب ہے لیکن مسجد میں اجتماعی طور پر یہ عمل سرانجام دینے کی صورت میں ثواب اور زیادہ ہے۔ مساجد میں قرآن خوانی کے حلقے قائم کرنے کے کئی فائدے ہیں جو لوگ تلاوت قرآن میں غفلت کرتے ہیں انہیں احساس ہو گا اور اس طرح وہ بھی تلاوت کرنے لگ جائیں گے اسی طرح جو لوگ قرآن کریم کا علم نہیں رکھتے یا ان کے پاس علم تھوڑا ہے وہ علماء سے پڑھ سکیں گے۔ اس طرح قرآن کا علم بڑھے گا اور اس کی اشاعت زیادہ ہو گی۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

«خَيْرُكُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» (صحيح البخاري، فضائل القرآن، باب خيركم من تعلم القرآن وعلمه، ح:٥٠٢٧)

"تم میں سے سب سے بہتر وہ ہے جو خود قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔"

صرف اعمال ہی ذریعہ نجات ہیں

نبی کریم ﷺ نے اس حدیث میں آخری بات یہ بیان فرمائی ہے کہ جو شخص اعمالِ صالحہ انجام دینے میں غفلت سے کام لے گا اس کا حسب و نسب اس کے کام نہ آ سکے گا۔ اسلام میں نجات کا انحصار' رنگ و نسل یا حسب و نسب پر نہیں بلکہ ایمان و اعمال صالحہ پر ہے۔ کسی نبی' ولی یا بزرگ کی اولاد یا دیگر رشتہ دار محض اس رشتہ داری کے سبب نہیں بخشے جائیں گے۔

قرآن کریم میں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے متعلق ہے کہ وہ نافرمان' عاصی اور غیر مسلم تھا تو نبی کی رشتہ داری اس کے کام نہ آ سکی جب کافروں پر پانی کا عذاب آیا تو نوح علیہ السلام کا بیٹا بھی اس میں گرفتار ہوا۔ جب نوح علیہ السلام نے اسے غرق ہوتا ہوا دیکھا تو دل پسیج گیا اور اس کے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کی' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ بد عمل ہے' اس کا آپ سے کوئی تعلق نہیں۔"

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کے والد کے متعلق بھی صراحت آئی ہے کہ اس نے ایمان قبول نہ کیا تھا اس لیے وہ جہنم رسید ہو گا۔ نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویاں بھی ایمان نہیں لائی تھیں اس لیے وہ بھی جہنم میں جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں عزت و نجات کا دارومدار صرف اعمال صالحہ پر ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ ٱللَّهِ أَتْقَىٰكُمْ ﴾ (الحجرات ۴۹/ ۱۳)

"بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ متقی ہو۔"

نبی کریم ﷺ نے ایک دفعہ اپنے خاندان والوں کو خطاب فرمایا تو آپ نے نام لے لے کر کہا' اے خاندانِ قریش! اے بنو عبدالمطلب! اے عباس رسول اللہ کے چچا! اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! اے فاطمہ بنت محمد! تم اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچالو۔ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہارے کسی کام نہ آ سکوں گا۔ (صحیح البخاري' الوصایا' باب هل یدخل النساء والولدفی الاقارب' ح : ۲۷۵۳ و صحیح مسلم' الایمان' باب فی قوله تعالٰی .....' ح :۲۰۶)

یعنی سب انسان آدم کی اولاد ہیں' ان میں فرقِ مراتب صرف تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔

قیامت کے دن بھی ایمان' اعمال اور عقائد کے لحاظ سے لوگوں کی گروہ بندی ہو گی۔ حسب و نسب کے اعتبار سے نہیں کیونکہ اسلام میں عظمت و فضیلت کا معیار تقوی اور پرہیزگاری ہے۔ کنبہ' قبیلہ' خاندان' رنگ' نسل' امارت و غربت وغیرہ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں۔ اس لیے آپ نے اس بات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اس حدیث میں فرمایا کہ جسے خود اس کا عمل ہی پیچھے چھوڑ دے' اس کا حسب و نسب اسے آگے نہیں لا سکتا۔ ہاں! اگر اولاد ایمان اور اعمال صالحہ سے متصف ہو گی تو پھر اولاد کی نیکی والدین کے لئے رفع درجات کا باعث ہو گی جیسا کہ سورۂ طور میں اس کی صراحت موجود ہے۔

۳۷۔ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی وسعت رحمت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فِيمَا يَرْوِي عَنْ رَبِّهِ عَزَّوَجَلَّ قَالَ: «إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ، ثُمَّ بَيَّنَ ذٰلِكَ فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلٰى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ، وَإِنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، وَإِنْ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا، كَتَبَهَا اللهُ سَيِّئَةً وَّاحِدَةً» رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ، وَمُسْلِمٌ فِي صَحِيحَيْهِمَا بِهٰذِهِ الْحُرُوفِ فَانْظُرْ يَاأَخِي ـ وَفَّقَنَا اللهُ وَإِيَّاكَ ـ إِلٰى عَظِيمِ لُطْفِ اللهِ تَعَالٰى، وَتَأَمَّلْ هٰذِهِ الأَلْفَاظَ وَقَوْلُهُ: (عِنْدَهُ) إِشَارَةٌ إِلَى الاعْتِنَاءِ بِهَا وَقَوْلُهُ(كَامِلَةً) لِلتَّأْكِيدِ وَشِدَّةِ الاعْتِنَاءِ بِهَا وَقَالَ فِي السَّيِّئَةِ الَّتِي هَمَّ بِهَا ثُمَّ تَرَكَهَا: (كَتَبَهَا اللهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً

كَامِلَةً) فَأَكَّدَهَا بِكَامِلَةً (وَإِنْ عَمِلَهَا كَتَبَهَا سَيِّئَةً وَّاحِدَةً) فَأَكَّدَ تَقْلِيلَهَا بِـ«وَاحِدَةً» وَلَمْ يُؤَكِّدْهَا بِـ«كَامِلَةً» فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ سُبْحَانَهُ لاَ نُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْهِ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تبارک وتعالیٰ سے روایت کرتے ہیں (یعنی یہ حدیث قدسی ہے) فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے نیکیاں اور برائیاں لکھ دی ہیں پھر اس کی وضاحت یوں فرمائی کہ: جو شخص نیکی کا ارادہ کرے' ابھی اس نے عمل نہ کیا ہو' اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں مکمل نیکی درج فرمالیتا ہے' اور اگر نیکی کا ارادہ کر کے اس پر عمل بھی کر لے تو اللہ تعالیٰ اس ایک نیکی کو اپنے ہاں دس گنا سے لے کر سات سو گنا بلکہ اس سے بھی کئی گنا زیادہ لکھ لیتا ہے۔“

اور اگر انسان صرف برائی کا ارادہ کرے اور اس پر عمل نہ کرے تو بھی اللہ تعالیٰ اسے اپنے ہاں مکمل نیکی لکھ لیتا ہے اور برائی کا ارادہ کر کے عمل کر لے تو اللہ تعالیٰ اپنے ہاں اسے صرف ایک ہی گناہ لکھتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو نیکی کی توفیق دے (آمین) ذرا اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو اور ان الفاظ پر غور کرو۔

[عنده] اپنے ہاں' اس لفظ میں انسانی اعمال کی اہمیت کی طرف اشارہ ہے۔

[كاملة] یہ لفظ تاکید اور اہمیت کی شدت کے لیے ہے۔ اور پھر انسان جس گناہ کا ارادہ کر کے ترک کر دے اور عمل نہ کرے اللہ اسے بھی مکمل نیکی درج کر لیتا ہے یہاں [كاملة] کا لفظ تاکید اور شدت کے لیے آیا ہے۔

اور اگر انسان گناہ کا ارتکاب کر بیٹھے تو اسے اللہ تعالیٰ صرف ایک گناہ لکھتا ہے اس کی قلت کو ظاہر کرنے کے لیے یہاں اسے صرف ایک گناہ کہا گیا

ہے اس کے ساتھ (نیکی کی طرح) تاکیدی لفظ "کاملہ" نہیں آیا حمد و احسان
اسی اللہ کا حق ہے وہ پاک ہے ہم کماحقہ اس کی ثنا نہیں کر سکتے۔

تخريج: صحيح البخاري، الرقاق، باب من هم بحسنة أو بسيئة، ح: ٦٤٩١ وصحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس، ح: ١٣١.

شرح الالفاظ: [يَرْوِيهِ عَنْ رَبِّهِ] یعنی یہ حدیث قدسی ہے' حدیث قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جسے رسول اللہ ﷺ اپنی طرف نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر کے بیان کریں۔ [كَتَبَ الْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ] اللہ تعالیٰ نے نگران فرشتوں کو ان کے لکھنے کا حکم دے رکھا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے یہ مراد ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ [هَمَّ] ارادہ اور قصد کرے [بِحَسَنَةٍ] نیکی کا' فرض ہو یا نفل۔ [ضِعْفٍ] گنا' زیادہ۔ [بِسَيِّئَةٍ] گناہ' نافرمانی صغیرہ ہو یا کبیرہ۔

تشریح: اس حدیث قدسی میں نبی ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ جو شخص نیکی کا ارادہ کرے مگر عملاً اس کی تکمیل سے قاصر رہے تو محض ارادے ہی کی وجہ سے اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب کوئی شخص نیکی کا ارادہ کر کے عملاً اسے انجام دے لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں دس گنا سے سات سو گنا تک بلکہ اس سے بھی زیادہ نیکیاں لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی شخص گناہ کا ارادہ کرے اور عملاً انجام نہ دے تو یہ بھی اس کے نامۂ اعمال میں پوری نیکی درج کی جاتی ہے اور اگر برائی کا ارادہ کرنے کے بعد عملاً برائی کر لیتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں صرف ایک برائی یا گناہ لکھا جاتا ہے۔

اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے فضل کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ نیکی تو صرف ارادہ کرنے ہی سے لکھی جاتی ہے اور برائی جب تک عملاً سرزد نہ ہو' لکھی نہیں جاتی بلکہ اگر برائی کا ارادہ کر کے اسے شعوری طور پر ترک کرے اور چھوڑ دے تو یہ بھی نیکی لکھی جاتی ہے۔ اسی طرح ایک نیکی کا ثواب کم از کم دس گنا ہے پھر یہ اجر و ثواب بڑھتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ سات سو گنا تک پہنچ جاتا ہے بلکہ اس کے بعد بھی اس میں برکت

و اضافہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ عامل میں جس قدر اخلاص زیادہ ہوتا ہے اور نیکی کا محل جس قدر موزوں تر ہوتا ہے اس کے ثواب میں اسی لحاظ سے اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اور آنحضرت ﷺ نے بھی متعدد احادیث میں بڑی تفصیل سے بیان فرمائی ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

﴿ مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰٓ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾ ﴾ (الأنعام٦/ ١٦٠)

"جو شخص نیکی کر کے (اللہ تعالیٰ کے ہاں) آئے گا اسے دس نیکیوں کا اجر ملے گا اور جو شخص برائی کا مرتکب ہو اسے صرف اس ایک کی سزا ملے گی اور ان لوگوں پر ظلم نہ ہو گا۔"

﴿ وَٱلَّذِينَ كَسَبُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ﴾ (یونس١٠/ ٢٧)

"اور جنہوں نے برے کام کئے تو برائی کا بدلہ اسی کے برابر ہو گا۔"

﴿ مَن جَآءَ بِٱلْحَسَنَةِ فَلَهُۥ خَيْرٌ مِّنْهَا ۖ وَمَن جَآءَ بِٱلسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى ٱلَّذِينَ عَمِلُوا۟ ٱلسَّيِّـَٔاتِ إِلَّا مَا كَانُوا۟ يَعْمَلُونَ ﴿٨٤﴾ ﴾ (القصص٢٨/ ٨٤)

"اور جو شخص نیکی کر کے آئے گا اسے اس سے بہتر اجر ملے گا اور جو برائی کا مرتکب ہوا تو برے کام کرنے والوں کو صرف ان کے اعمال ہی کا بدلہ ملے گا۔"

ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَسْلَمَ الْعَبْدُ فَحَسُنَ إِسْلَامُهُ كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ كُلَّ حَسَنَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا وَمُحِيَتْ عَنْهُ كُلُّ سَيِّئَةٍ كَانَ أَزْلَفَهَا ثُمَّ كَانَ بَعْدَ ذٰلِكَ الْقِصَاصُ، الْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا إِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ، وَالسَّيِّئَةُ بِمِثْلِهَا إِلَّا أَنْ يَتَجَاوَزَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ عَنْهَا»(سنن النسائي، الإيمان، باب حسن إسلام المرء، ح: ٥٠٠١)

"جب کوئی آدمی مسلمان ہوتا ہے تو اس کی اسلام سے پہلے کی ہوئی تمام نیکیاں اس کے حق میں ثابت رہتی ہیں اور جس قدر گناہ اس سے سرزد ہوئے ہوں وہ تمام معاف

کر دیئے جاتے ہیں' اس کے بعد والی زندگی کا حساب ہوتا ہے۔ ہر نیکی کی جزا کم از کم دس گنا ہوتی ہے اور اس میں سات سو گنا تک اضافہ بھی ہو جاتا ہے۔ البتہ برائی کی سزا اتنی ہی ملتی ہے جتنی برائی ہو۔ وہ بھی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو تو معاف کر دے۔"

ان تمام آیات و احادیث سے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر از حد مہربان ہے۔ انسان اگر برائی کا ارادہ کر کے اسے ترک کر دے تو بھی وہ اجر و ثواب کا مستحق ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث قدسی مروی ہے' کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: "جب میرا کوئی بندہ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو جب تک وہ عمل نہ کرے اس وقت تک اس کو برائی نہ لکھو یہاں تک کہ اس کا ارتکاب کر لے اور اگر برائی کر لے تو ایک ہی برائی لکھو۔ جب کوئی انسان نیکی کا قصد کر لے اور اسے عملی طور پر نہیں کرتا تو اس کے لیے ایک نیکی لکھ دو۔ (صحیح مسلم' الایمان' ح:۱۲۸)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "فرشتے پوچھتے ہیں' یارب! فلاں بندہ برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ حالانکہ وہ اس کے بارے میں بہتر جانتا ہے کہ وہ اس کا ارتکاب کرے گا یا نہیں؟ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' اسے دیکھتے رہو اور اس پر نظر رکھو وہ یہ برائی کرے تو یہی گناہ اس کے نامۂ اعمال میں لکھ دینا۔ اور اگر اسے ترک کر دے اور عمل نہ کرے تو یہی ارادۂ گناہ نیکی لکھ دینا۔ کیونکہ وہ میرے خوف کی بنا پر اسے ترک کرے گا۔ (صحیح مسلم' الایمان' باب اذاھم العبد بحسنة..... ح:۱۲۹)

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جب کوئی شخص اپنی اسلامی زندگی کو بہتر بنائے تو اسے زندگی بھر ہر نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک ملتا ہے اور ہر گناہ صرف ایک گنا لکھا جاتا ہے۔" (صحیح مسلم' الایمان' باب اذاھم العبد بحسنة ..... ح:۱۲۹)

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِأُمَّتِي مَا حَدَّثَتْ بِهِ أَنْفُسُهَا مَا لَمْ يَتَكَلَّمُوا أَوْ يَعْمَلُوا بِهِ» (صحيح مسلم، الإيمان، باب تجاوز الله عن حديث النفس...، ح:

(۱۲۷

”بے شک اللہ تعالیٰ نے میری امت کے (برے) خیالات و ارادے معاف کر دیئے ہیں جب تک کہ ان پر عمل کے لیے کلام یا عملی اقدام نہ کرے۔“

یہی چیز قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یوں بیان فرمائی:

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾﴾ (الحجر ۱۵/ ۴۹)

”میرے بندوں کو بتا دیجئے کہ میں بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ اس قدر مہربان ہے کہ جب انسان نیکی کرے تو محض نیکی کرنے سے بھی گناہ معاف ہو جاتے ہیں' چنانچہ ارشاد ہے:

﴿ إِنَّ ٱلْحَسَنَٰتِ يُذْهِبْنَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ ﴾ (ھود ۱۱/ ۱۱۴)

”بے شک نیکیاں گناہوں کو مٹا ڈالتی ہیں۔“

جیسا کہ وضو کرتے وقت ہر ہر عضو دھونے کے ساتھ ہی اس کے گناہ معاف ہوتے اور دھلتے چلے جاتے ہیں۔ حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے پوچھا' یارسول اللہ! وضو کا کیا طریقہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا: ”جب تم وضو کرو تو اچھی طرح ہاتھ دھوؤ تمہارے ہاتھوں کے گناہ انگلیوں اور ناخنوں کے نیچے تک کے نکل جائیں گے۔ اور جب تم کلی کرو' ناک میں پانی ڈالو' چہرہ اور کہنیوں تک بازو دھوؤ' سر کا مسح اور ٹخنوں تک پاؤں دھو کر فارغ ہوؤ تو تم اپنے تمام گناہوں سے پاک ہو جاؤ گے اور جب اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کرو تو گناہوں سے یوں پاک ہو جاؤ گے جیسا کہ آج ہی پیدا ہوئے ہو۔“ وضو کی فضیلت اور یہ حدیث سن کر ابو امامہ نے عمرو بن عبسہ سے کہا ذرا سوچ کر دھیان سے بتائیں کہ کیا اس قدر ثواب محض اس ایک محفل میں حاصل ہو جاتا ہے؟ تو عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ”اللہ کی قسم! میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میری موت کا وقت قریب ہے' میں کوئی تنگدست بھی نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر جھوٹ باندھوں (اور لوگوں سے مفاد اٹھاؤں) اللہ کی قسم! میں نے یہ حدیث رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی اور میرے دل نے اسے خوب یاد رکھا۔“ (سنن النسائی' الطھارۃ' باب ثواب من توضا کما أمر' ح: ۱۴۷)

۳۸۔ فرائض اور نوافل اللہ تعالیٰ کے قرب اور محبت کا ذریعہ ہیں

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «إِنَّ اللهَ تَعَالَى قَالَ: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ، وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بِهَا، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بِهَا، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ»(رواه البخاري)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: جو شخص میرے کسی ولی (دوست) سے عداوت رکھے میرا اس سے اعلان جنگ ہے۔ میرا بندہ میرے فرض کردہ امور کے سوا کسی اور چیز کے ذریعے میرے زیادہ قریب نہیں آسکتا۔ میرا بندہ نوافل (نفلی عبادات) کے ذریعے میرے قریب ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے اور اس کا ہاتھ بن جاتا ہوں' جس سے وہ پکڑتا ہے' اور اس کا پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے۔ وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دیتا ہوں۔ مجھ سے پناہ طلب کرے تو میں اسے پناہ ضرور دیتا ہوں۔

تخريج: صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، ح: ٦٥٠٢.

شرح الالفاظ : [عَادَی] یہ "معاداۃ" سے مشتق ہے۔ [عدو ' ولی] کی ضد ہے۔ ایک روایت میں "عادی" کی بجائے "اھان" کے الفاظ ہیں۔ [وَلِيًّا] ولی' وہ مومن ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب ہو اور یہ قرب عبادت الٰہی کے دوام سے حاصل ہوتا ہے جس کے نتیجہ میں اللہ بھی حفاظت و مدد کے ذریعہ اس کی سرپرستی فرماتا ہے۔ [آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ] میں اس سے جنگ کا اعلان کرتا ہوں اور اسے خبردار کرتا ہوں کہ میں اس کا مخالف ہوں۔ [بِالنَّوَافِلِ] فرائض کے علاوہ جملہ قسم کی عبادات۔ [حَتَّى أُحِبَّهُ] یہاں تک کہ میں اس سے راضی ہو جاتا ہوں اس کی حفاظت کرتا اور اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ [اِسْتَعَاذَنِی] مجھ سے پناہ طلب کرے۔ [لاعِیْذَنَّهُ] اسے جن چیزوں سے خوف ہے۔ میں اسے ان سے ضرور پناہ دیتا ہوں۔

تشریح : محبت اولیا : پیشِ نظر حدیث بھی حدیث قدسی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیا کا تذکرہ فرمایا ہے اور ساتھ ہی ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار بھی کیا ہے کہ جو شخص میرے کسی ولی سے عداوت رکھے یا اسے ستائے تو گویا اس نے میرے ساتھ عداوت کی اور مجھے ستایا۔ اولیا' ولی کی جمع ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ولی اور دوست وہی ہیں جو شریعت کی مکمل پابندی کریں اور نوافل سے بھی غافل نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ﴾ (یونس ۱۰/ ۶۳)

"(اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان لانے کے بعد اس کی حدود کی پابندی کرتے ہیں۔"

آج کل لوگوں میں اولیا کا تصور اس قسم کا ہے کہ جن سے خرقِ عادت امور ظاہر ہوں اور جو خود اپنے ولی ہونے کا دعویٰ اور اعلان کریں' وہی ولی ہوتے ہیں۔ حالانکہ کرامات اور خرق عادت امور کا ظہور اولیا کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے حکم' مرضی اور مشیت سے ہوتا ہے۔ اور خود ولی کو بھی علم نہیں ہوتا کہ اس سے یہ امر ظاہر ہونے والا ہے۔ آج کل بعض بے عمل بلکہ بد عمل اور بد عقیدہ قسم کے لوگ پیر' مرشد اور ولی بنے ہوئے ہیں۔ ایسے لوگ قطعاً ولی نہیں ہو سکتے۔ ولی ہونے کے لیے شریعت کا عامل ہونا ضروری ہے۔ فرمایا:

﴿ إِنۡ أَوۡلِيَآؤُهُۥٓ إِلَّا ٱلۡمُتَّقُونَ ﴾ (الأنفال٨/ ٣٤)

"اللہ تعالیٰ کے ولی صرف متقی اور پرہیزگار لوگ ہیں۔"

﴿ أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ لَهُمُ ٱلۡبُشۡرَىٰ فِي ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِۚ لَا تَبۡدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ﴿٦٤﴾ ﴾

(یونس١٠/ ٦٢-٦٤)

"آگاہ رہو! اللہ تعالیٰ کے اولیا پر خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کے اولیا وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کی باتیں بدلتی نہیں۔ یہی تو بہت بڑی کامیابی ہے۔"

ہر دین دار' اللہ تعالیٰ کے مومن متقی بندوں سے الفت و محبت کرتا اور ان کی عداوت سے احتراز کرتا ہے۔ کیونکہ ان سے عداوت گویا اللہ تعالیٰ سے عداوت ہے اور ان سے محبت گویا کہ اللہ تعالیٰ سے محبت ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ سَيَجۡعَلُ لَهُمُ ٱلرَّحۡمَٰنُ وُدّٗا ﴿٩٦﴾ ﴾

(مریم١٩/ ٩٦)

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے' رحمٰن ان کے لیے دلوں میں محبت پیدا کرے گا۔"

فرائض کی اہمیت

«وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُهُ عَلَيْهِ»(صحيح البخاري، الرقاق، باب التواضع، ح: ٦٥٠٢)

اس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا تقرب اور محبت حاصل کرنے کا افضل ترین ذریعہ فرائض ہیں کہ انہیں مکمل پابندی' تن دہی اور مستعدی سے ادا کیا جائے۔ فرائض کو نظر انداز کر کے اور کوئی چیز ایسی نہیں جس سے اس کا تقرب حاصل کیا جا سکے۔ فرائض میں سب سے اہم ارکانِ دین نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ ہیں۔

ارکان دین میں سب سے زیادہ اہمیت نماز کو ہے۔ یہ دین کا ستون ہے۔ اس کے بغیر دین کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی کوئی شخص جو تارک نماز ہو وہ اللہ تعالیٰ کا ولی نہیں ہو سکتا۔ ارکان دین کی طرف سے غفلت و بے پروائی کرنے والا اگر ولی ہونے کا دعویٰ کرے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس کی بات قابلِ اعتماد نہیں۔ بلکہ ایسا شخص مسلمان نہیں۔ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اسلام اور کفر کے درمیان حد فاصل "نماز" ہی کو قرار دیا ہے۔ (سنن ابی داود' السنة' باب فی رد الارجاء' ح:۴۶۷۸)

اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے "ترک نماز" کو کفر قرار دیا ہے۔ (جامع الترمذی' باب ماجاء فی ترک الصلاة' ح:۲۶۲۱ وغیرہ)

امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

«وَلاَ حَظَّ فِي الإِسْلاَمِ لِمَنْ تَرَكَ الصَّلاَةَ» (الموطأ للإمام مالك، باب الوضوء والطهارة، العمل فيمن غلبه الدم من جرح أو رعاف: ١/ ٤٥)

"تارک نماز کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔"

نوافل کا درجہ فرائض کی اہمیت و فضیلت کے بعد نوافل کا ذکر فرمایا' کہ انسان نوافل کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے اس قدر قریب ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہے۔ کوئی شخص فرائض کی بجاآوری کے بعد جس قدر نفلی اعمال زیادہ بجا لائے اسے اتنا ہی اللہ تعالیٰ کا قرب' محبت اور دوستی حاصل ہو گی۔ جب یہ دوستی اور محبت درجہ کمال کو پہنچ جائے تو انسان "ولیٔ کامل" بن جاتا ہے۔ اور اس کا کوئی قدم شریعت کے خلاف نہیں اٹھتا۔ وہ شریعت کا اس قدر پابند ہو جاتا ہے کہ پھر وہ غیر شرعی باتوں پر کان دھرتا ہے نہ ان کی طرف دیکھتا ہے۔ وہ ادھر ہاتھ بڑھاتا ہے نہ ادھر چل کر جاتا ہے۔ اس کے کان' آنکھ' ہاتھ اور پاؤں غرضیکہ سارا جسم شریعت اور کتاب و سنت کے تابع ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہو وہ اس کی تعمیل کرتا ہے اور جس چیز سے اللہ تعالیٰ روکے' وہ اس سے رک جاتا ہے۔ جس میں یہ علامات و اوصاف موجود ہوں وہی اللہ تعالیٰ کا حقیقی ولی اور حقیقی دوست ہے۔

نتیجہ: جب کوئی شخص اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر لے تو وہ رتبۂ ولایت پر فائز ہو جاتا ہے اس کے بعد نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے جو دعا کرے' اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرے تو اسے وہ بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ حدیث اولیا کے معیار کو پہچاننے کا اصلی معیار ہے۔

۳۹۔ خطا' نسیان اور جبر واکراہ کی معافی

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ: «إِنَّ اللهَ تَجَاوَزَ لِي عَنْ أُمَّتِي الْخَطَأَ وَالنِّسْيَانَ وَمَا اسْتُكْرِهُوا عَلَيْهِ»(حديث حسن، رواه ابن ماجه والبيهقي وغيرهما)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے (تین قسم کے کاموں اور گناہوں کو) معاف کر دیا ہے۔ خطا' نسیان اور وہ کام جن کے کرنے پر انسان مجبور کر دیا جائے۔''

تخریج: سنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المكره والناسي، ح:٢٠٤٥ والسنن الكبرى للبيهقي: ٧/ ٣٥٦ واللفظ له.

شرح الالفاظ: [تَجَاوَزَ] معاف کر دیا ہے۔ [اَلْخَطَأَ] غلطی۔ غیر شعوری کوتاہی و قصور۔ [اَلنِّسْيَان] بھول۔ [وَمَا اسْتُكْرِهُوْا عَلَيْهِ] جن کاموں کے کرنے پر انہیں غلبہ اور قوت کے ساتھ مجبور کر دیا جائے۔

تشریح: اللہ تعالیٰ نے بندوں پر بڑی آسانیاں فرمائی ہیں اور ہر انسان کو اس کی ہمت و طاقت کے مطابق ہی شرعی احکام کا مکلف ٹھہرایا ہے' فرمایا:

﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

آنحضرت ﷺ نے بھی فرمایا:

«اَلدِّینُ یُسْرٌ»(صحيح البخاري، الإيمان، باب الدين يُسر، ح:٣٩)

"دین انتہائی آسان ہے۔"

انسان بعض اوقات کچھ باتیں بھول جاتا ہے' بسا اوقات ایک جائز اور حلال کام کا ارادہ کرتا ہے لیکن اس سے غلطی ہو جاتی ہے اور ایسا کام اس سے سرزد ہو جاتا ہے جس کی شریعت کی طرف سے اسے اجازت نہ تھی یا بعض اوقات انسان ذاتی طور پر کوئی کام کرنا ہی نہیں چاہتا لیکن اسے اس کام کے کرنے کے لیے مجبور کر دیا جائے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی بے پایاں رحمت سے انسان کے ایسے تمام کام معاف فرما دیئے ہیں۔

چنانچہ آنحضرت ﷺ نے اس حدیث میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری خاطر میری امت سے تین قسم کے کاموں سے درگزر فرمایا ہے۔ ① خطا ② نسیان ③ جس کام کے کرنے کے لیے انسان کو مجبور کر دیا جائے۔

(ا) خطا

خطا' عمد کی ضد ہے۔ غیرارادی طور پر کوئی کام کرنے کو "خطا" کہتے ہیں۔ مثلاً: کسی کافر کو مارنا چاہتا تھا لیکن غلطی سے مسلمان کو قتل کر دیا یا شکار پر گولی چلائی اور وہ کسی آدمی کو جا لگی۔ انسان جو اعمال قصداً کرے' ان پر اس کا مؤاخذہ ہو گا۔ اور اگر کوئی کام غلطی سے سرزد ہو جائے تو اس کا کوئی مؤاخذہ نہ ہو گا۔ قرآن کریم میں ہے:

﴿ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَآ أَخْطَأْتُم بِهِۦ وَلَٰكِن مَّا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾

(الأحزاب٣٣/ ٥)

"تم سے جو خطا ہو جائے اس میں کوئی حرج (مؤاخذہ) نہیں لیکن جو کام تم قصداً کرو ان کا مؤاخذہ ہو گا۔"

اسی طرح قتل عمد کی صورت میں قصاص مشروع ہے لیکن قتل خطا کی صورت میں قصاص نہیں البتہ دیت (خون بہا) مقرر ہے۔

﴿ وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَن يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَن قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰٓ أَهْلِهِۦٓ إِلَّآ أَن يَصَّدَّقُوا۟﴾

(النساء٤/ ٩٢)

"اور کسی مومن کو روا نہیں کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے مگر یہ کہ خطا ہو جائے اور جو کسی مومن کو غلطی سے قتل کر بیٹھے تو وہ ایک مومن غلام آزاد کرے اور مقتول کے ورثاء کو خون بہا ادا کرے الآیہ کہ وہ معاف کر دیں۔"

اسی طرح حاکم اور قاضی' فیصلہ اور اجتہاد کرتے وقت اگر درست فیصلہ کریں تو انہیں دگنا اجر ملتا ہے لیکن اگر کوشش کے باوجود فیصلہ کرنے میں ان سے خطا ہو جائے تب بھی اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ اجر و ثواب کے حقدار ہوتے ہیں۔

عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

«إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» (صحيح البخاري، الاعتصام، باب أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:٧٣٥٢ وصحيح مسلم، الأقضية، باب بيان أجر الحاكم إذا اجتهد فأصاب أو أخطأ، ح:١٧١٦)

"حاکم فیصلہ کرتے وقت اجتہاد کر کے صحیح فیصلہ کرے تو اسے دگنا ثواب ملتا ہے اور اگر اس سے خطا ہو جائے تب بھی (اسے حق کی تلاش کا) ایک ثواب ضرور ملتا ہے۔"

(۲) نسیان

نسیان' بھول چوک کو کہتے ہیں مثلاً خیال نہ رہا کہ میرا روزہ ہے' اس تصور کی بنا پر کھا لینا یا پی لینا' ایسی صورت میں انسان کا وہ عمل درست ہے اور کھانے پینے کا کوئی جرم نہیں۔ کیونکہ اس کا روزے کی طرف دھیان ہی نہیں ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ وَهُوَ صَائِمٌ فَأَكَلَ أَوْ شَرِبَ فَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ فَإِنَّمَا أَطْعَمَهُ اللهُ وَسَقَاهُ» (صحيح مسلم، الصوم، باب أكل الناسي وشربه وجماعه لا يفطر، ح:١١٥٥)

"جس شخص نے روزہ رکھا پھر وہ بھول کر کھا لے یا پی لے تو اسے چاہیئے کہ اپنا روزہ

مکمل کرے' اسے اللہ تعالیٰ نے کھلایا پلایا ہے۔"

اسی طرح اگر آدمی کی نماز' نیند یا نسیان کی وجہ سے رہ جائے تو وہ شخص اللہ تعالیٰ کے ہاں مجرم نہیں گردانا جاتا بلکہ جب اسے یاد آئے یا وہ بیدار ہو تو نماز پڑھ لے۔ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ نَسِيَ صَلاَةً فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلاَّ ذٰلِكَ»

(صحيح مسلم، الصلاة، باب قضاء الصلاة الفائتة. . .، ح: ٦٨٤)

"جسے نماز بھول جائے اسے چاہیئے کہ جب یاد آئے اسی وقت پڑھ لے اس کے اس عمل کا یہی کفارہ ہے۔"

انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ نے فرمایا:

«إِذَا رَقَدَ أَحَدُكُمْ عَنِ الصَّلاَةِ أَوْ غَفَلَ عَنْهَا فَلْيُصَلِّهَا إِذَا ذَكَرَهَا فَإِنَّ اللهَ يَقُولُ: وَأَقِمِ الصَّلاَةَ لِذِكْرِي»(صحيح مسلم، الصلاة، باب قضاء الفائتة. . .، ح: ٦٨٤)

"جب تم میں سے کسی کو نیند آجائے یا وہ نماز سے غافل رہ جائے تو جب یاد آئے اسی وقت ادا کرلے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میری یاد کے لیے نماز قائم کرو۔"

معلوم ہوا کہ خطا اور نسیان بہرحال معاف ہے۔ خود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔

﴿ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ إِن نَّسِينَآ أَوْ أَخْطَأْنَا ﴾ (البقرة٢/ ٢٨٦)

"اے ہمارے رب! اگر ہم سے نسیان یا خطا ہو جائے تو ہمارا مؤاخذہ نہ فرمانا۔"

(۳) مجبوری کی صورت میں کیئے گئے عمل

اس حدیث میں تیسری بات یہ بیان فرمائی کہ جن کاموں کے کرنے پر انسان کو مجبور کر دیا جائے' اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ بھی معاف اور کالعدم ہیں۔ ان پر جزا و سزا یا دنیوی احکام نافذ نہیں ہوتے۔ بلکہ انسان مجبوری کی صورت میں اگر جان بچانے کے لیے کلمۂ کفر بھی زبان سے کہہ دے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں جرم نہیں ہو گا۔

﴿ مَن كَفَرَ بِٱللَّهِ مِنۢ بَعْدِ إِيمَٰنِهِۦٓ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُۥ مُطْمَئِنٌّۢ بِٱلْإِيمَٰنِ وَلَٰكِن مَّن شَرَحَ بِٱلْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ ٱللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٠٦﴾ ﴾ (النحل١٦/١٠٦)

”جو شخص ایمان لانے کے بعد شرح صدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس کے لئے بڑا عذاب ہے۔ البتہ اگر کسی کو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو۔“ (اور وہ اکراہ کی صورت میں کلمۂ کفر کہے تو اسے معاف ہے۔)

اسی طرح طلاق اور عتاق (غلام کی آزادی) سب معاملات اسی صورت میں نافذ ہوتے ہیں جب بخوشی کیے جائیں اگر کسی کو مجبور کر کے یا زبردستی ان امور کا اقرار کرایا جائے تو شرعاً یہ امور واقع اور نافذ نہیں ہوتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

«لاَ طَلاَقَ وَلاَ عِتَاقَ فِي إِغْلاَقٍ»(سنن أبي داود، الطلاق، باب في الطلاق على غلط، ح:٢١٩٣ وانظر إرواء الغليل:٧/ ١١٣)

”طلاق اور عتاق اکراہ کی صورت میں واقع نہیں ہوتے“ (اس صورت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔)

بلکہ بچے اور مغلوب العقل کی مانند مکرہ (مجبور کیا ہوا) بھی مرفوع القلم ہے اور اس کے عمل کا کوئی اعتبار نہیں۔ علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلاَثَةٍ: عَنِ النَّائِمِ حَتَّى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتَّى يَحْتَلِمَ وَعَنِ الْمَجْنُونِ حَتَّى يَعْقِلَ»(سنن أبي داود، الحدود، باب في المجنون يسرق أو يصيب حدا، ح:٤٤٠٣ وجامع الترمذي، الحدود، باب ما جاء فيمن لا يجب عليه الحد، ح:١٤٢٣ وسنن ابن ماجه، الطلاق، باب طلاق المعتوه والصغير والنائم، ح:٢٠٤٢)

”تین آدمیوں سے قلم اٹھالیا گیا ہے یعنی ان پر مواخذہ نہیں۔“ ① سویا ہوا' جب تک

بیدار نہ ہو۔ ② بچہ' جب تک بالغ نہ ہو۔ ③ مغلوب العقل' جب تک عاقل نہ ہو۔"

اس حدیث میں نبی اکرم ﷺ نے امت محمدیہ پر اللہ کے خصوصی احسانات کا ذکر فرمایا ہے کہ اس نے آنحضرت ﷺ کی خاطر مسلمانوں کی غلطیاں' بھول چوک اور ایسے معاملات جو کسی کے مجبور کرنے پر سرزد ہوں وہ معاف کر دیئے ہیں۔ جبکہ وہ دل سے اس کام پر تیار نہیں' محض زبان سے وہ کام کرنے کا اقرار کر رہا ہے۔ یہ اگر وہ کسی دوست و عزیز کے مجبور کرنے پر کام کے لیے آمادہ ہو جائے اور اس کو راضی کرنے کیلئے کام کرے تو پھر وہ مجبور تصور نہیں ہو گا۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نہ چاہنے کے باوجود عمر رضی اللہ عنہ کے کہنے پر اپنی بیوی کو طلاق دے دی تھی۔ کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا تھا اپنے باپ کی بات پر عمل کرو۔ اس طرح اپنی جان بچانے کی خاطر دوسرے کو قتل کرے گا تو مجبور تصور نہیں ہو گا۔ اپنے مال و جان ہی کی طرح دوسرے مسلمان بھائی کے مال و جان کا تحفظ ضروری ہے۔

۴۰۔ دنیا کی بے ثباتی

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بِمَنْكِبِيَّ فَقَالَ: «كُنْ فِي الدُّنْيَا كَأَنَّكَ غَرِيبٌ أَوْ عَابِرُ سَبِيلٍ» وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَقُولُ: إِذَا أَمْسَيْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الصَّبَاحَ، وَإِذَا أَصْبَحْتَ فَلَا تَنْتَظِرِ الْمَسَاءَ، وَخُذْ مِنْ صِحَّتِكَ لِمَرَضِكَ، وَمِنْ حَيَاتِكَ لِمَوْتِكَ(رواه البخاري)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھوں کو پکڑ کر فرمایا: "دُنیا میں یوں رہو جیسے کہ اجنبی یا راہ چلتا مسافر ہو۔" ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: شام ہو جائے تو صبح کی انتظار نہ کیا کرو اور صبح ہو جائے تو شام کی انتظار نہ کرو۔ صحت کو بیماری سے پہلے اور زندگی کو موت سے پہلے غنیمت سمجھو۔"

تخریج: صحيح البخاري، الرقاق، باب قول النبي ﷺ كن في الدنيا كأنك غريب أو عابر سبيل، ح: ٦٤١٦.

شرح الالفاظ: [أَخَذَ] پکڑا۔ [بِمَنْكِبَيَّ] منکب کا تثنیہ۔ کندھے' شانے۔ [غَرِيبٌ] جو شخص اپنے شہر سے دور کسی جگہ ہو۔ جہاں اس کے اہل و عیال اور رہائش نہ ہو یعنی اجنبی۔ [عَابِرُ سَبِيلٍ] راہی۔ راہ چلتا۔ [إِذَا أَمْسَيْتَ] جب تو شام کرے "مَسَاء" زوال سے آدھی رات تک کے وقت کو کہتے ہیں۔ [إِذَا أَصْبَحْتَ] جب تو صبح کرے' آدھی رات سے زوال تک کا وقت "صباح" کہلاتا ہے۔

تشریح: پیشِ نظر حدیث میں نبی ﷺ نے ہمیں دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلائی ہے۔ کہ کوئی مسلمان اس دنیا کو مستقل ٹھکانا سمجھ کر اس سے دل نہ لگائے بلکہ یہ دنیا فانی اور ختم ہونے والی ہے۔ ہر متنفس یہاں حیات مستعار لے کر آیا ہے۔ انسان کو یہاں عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جس کی حقیقی جزا اور بدلہ آخرت میں ملے گا۔ گویا یہ دنیا دارالعمل ہے۔ اور آخرت دارالجزاء۔ اسی لئے اس دنیا کو آخرت کی کھیتی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

﴿مَن كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ ٱلْـَٔاخِرَةِ نَزِدْ لَهُۥ فِى حَرْثِهِۦ﴾ (الشورى٤٢/ ٢٠)

"جو آخرت کی کھیتی کا طالب ہے ہم اس کی کھیتی کو بڑھائیں گے۔"

کہ انسان یہاں جو کچھ محنت کرے گا اسی حساب سے جزا کا مستحق ہو گا۔ دنیوی مال و دولت اور جاہ و حشمت کی اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی قدر و قیمت نہیں۔ جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ مَرَّ بِجَدْيٍ أَسَكَّ مَيِّتٍ قَالَ: أَيُّكُمْ يُحِبُّ أَنَّ هٰذَا لَهُ بِدِرْهَمٍ، فَقَالُوا: مَا نُحِبُّ أَنَّهُ لَنَا بِشَيْءٍ، قَالَ: فَوَاللهِ لَلدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَى اللهِ مِنْ هٰذَا عَلَيْكُمْ» (صحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، ح: ٢٩٥٧)

"رسول اللہ ﷺ بکری کے کان کٹے' مردہ بچے کے پاس سے گزرے اور فرمایا: "تم میں سے کون اسے ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟" صحابہ نے کہا ہم تو اسے بلا قیمت بھی لینا پسند نہیں کرتے۔ (کیونکہ یہ بے وقعت اور بے حقیقت ہے۔) آپ نے فرمایا: "اللہ

تعالیٰ کی قسم! تمہارے نزدیک جس قدر یہ بے وقعت اور بے حقیقت ہے اللہ تعالیٰ کے ہاں دنیا اس سے بھی زیادہ بے حقیقت اور بے وقعت ہے۔"

چونکہ دنیا کے بالمقابل آخرت میں اہل ایمان کے لیے بہت زیادہ آرام اور راحت ہو گی اس لیے آنحضرت ﷺ نے اس دنیا کو اہل اسلام کے لیے قید خانہ قرار دیا ہے جبکہ کافر اس دنیا میں بڑے آرام میں ہیں اور آخرت میں وہ سزا اور عذاب جھیلیں گے اس لیے آپ نے فرمایا کہ یہ دنیا کافر کے لیے جنت ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلدُّنْيَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ وَجَنَّةُ الْكَافِرِ» (صحيح مسلم، الزهد، باب الدنيا سجن للمؤمن وجنة للكافر، ح:٢٩٥٦)

"دنیا مومن کے لیے قید خانہ (پابندی کی جگہ) اور کافر کے لیے جنت ہے۔"

چونکہ یہ دنیا اور دنیا کا مال و دولت اللہ تعالیٰ کے ہاں بے حقیقت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا:

«أَلاَ إِنَّ الدُّنْيَا مَلْعُونَةٌ، مَلْعُونٌ مَّا فِيهَا إِلاَّ ذِكْرُ اللهِ وَمَا وَالاَهُ وَعَالِمٌ أَوْ مُتَعَلِّمٌ» (جامع الترمذي، الزهد، باب ١٤، ح:٢٣٢٢ وسنن ابن ماجه، الزهد، باب مثل الدنيا، ح:٤١١٢)

"خبردار! یہ دنیا اور دنیا کا سازوسامان سب ملعون ہے سوائے اللہ تعالیٰ کی یاد اور اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے والے امور کے اور عالم اور متعلم کے۔"

بعض لوگ حصول دنیا کے بڑے مشتاق ہوتے ہیں اور اس میں حلال و حرام اور جائز و ناجائز کا امتیاز نہیں کرتے اور اس طرح اپنی آخرت برباد کر لیتے ہیں۔ اور جو شخص آخرت کی کامیابی کا خواہش مند ہو وہ آخرت کی فکر کرتا ہے اور دنیا کا نقصان بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ لوگ بالعموم دنیوی عیش و راحت کے حصول میں سرگرداں رہتے ہیں بڑی بڑی جاگیریں' محلات اور آسائشیں تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کی زندگی جیسے بھی ہو' گزر ہی جائے گی۔ انسان یہاں بے شک تنگ و ترشی میں رہے تاہم اللہ کا ذکر' اس کی یاد' اس کی رضا کے حصول اور آخرت کی فلاح کی طرف سے غافل نہ ہو۔ نبی ﷺ کو اللہ نے دنیا کے

مال و دولت سے محفوظ رکھا۔ قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا:

«إِذَا أَحَبَّ اللهُ عَبْدًا حَمَاهُ الدُّنْيَا كَمَا يَظِلُّ أَحَدُكُمْ يَحْمِي سَقِيمَهُ الْمَاءَ» (جامع الترمذي، الطب، باب ما جاء في الحمية، ح:٢٠٣٦)

”جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا سے یوں محفوظ رکھتا ہے جیسے تم بیمار کو پانی سے بچاتے ہو۔“

ایک دفعہ آنحضرت ﷺ چٹائی پر آرام فرما ہوئے' جب آپ اٹھے تو آپ کے جسد مبارک پر چٹائی کے نشانات تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! آپ ہمیں حکم دیتے تو ہم آپ کے لیے نرم بستر تیار کر کے بچھا دیتے۔ آپ نے فرمایا: ”میرا دنیا سے کیا تعلق؟ میرا اور دنیا کا تعلق صرف اس قدر ہے جیسے کوئی مسافر راہ چلتے ہوئے کسی درخت کے نیچے سایہ حاصل کرے' ستائے اور کچھ دیر بعد اسے چھوڑ کر اپنی راہ لیتا ہے۔ (جامع الترمذی الزھد' ح:٢٣٧٧)

آپ نے دنیا کی بے ثباتی اور بے وقعتی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

«وَاللهِ! مَا الدُّنْيَا فِي الآخِرَةِ إِلاَّ مِثْلُ مَا يَجْعَلُ أَحَدُكُمْ إِصْبَعَهُ فِي الْيَمِّ فَلْيَنْظُرْ بِمَ تَرْجِعُ»(صحيح مسلم، الجنة ونعيمها، باب فناء الدنيا ...، ح: ٢٨٥٧)

”اللہ تعالیٰ کی قسم! دنیا آخرت کے مقابلے میں ایسے ہے جیسے ایک انسان سمندر میں انگلی ڈالے پھر دیکھے اسے کتنا پانی لگتا ہے۔“

چنانچہ پیش نظر اس حدیث میں بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کو کندھے سے پکڑا اور فرمایا: تم دنیا میں یوں رہو جیسے کوئی پردیسی یا راہ گیر مسافر ہو یعنی پردیسی تو پھر بھی کہیں نہ کہیں ٹھکانہ کر لیتا ہے اور ٹھہر جاتا ہے۔ لیکن راہ گیر کے پیش نظر راستہ طے کرنے کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ اس پر صرف یہ دھن سوار ہوتی ہے کہ سفر طے کر کے جلد از جلد منزل مقصود تک پہنچ جائے اسی طرح دینِ اسلام کے راہی کو چاہیئے کہ اپنے اصل مقصد سے کام رکھے اور اخروی فلاح کے نصب العین کو کسی بھی وقت اپنی نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔

اگر وہ اس دنیا میں الجھ گیا تو منزل کا حصول نہ ہو سکے گا۔ ایک مومن کے نزدیک یہ دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں۔ اس کا اصل دھیان' اصلی مسکن' جنت کی طرف ہونا چاہیئے۔

اس حدیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ ایک مومن کے لیے زائد از ضرورت سامان جمع کرنے میں کوئی مصلحت نہیں۔ جس طرح مسافر اپنے ساتھ زادِ راہ لیتا ہے اسی طرح ایک مومن دنیا سے آخرت کو جا رہا ہے وہ دنیا کا سفر طے کرتے وقت صرف ضروری اور ناگزیر سامان ساتھ رکھے۔ اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ۔ اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں۔ اس لیے شام ہو تو صبح کی انتظار میں نہ رہو اور صبح ہو تو شام کی انتظار مت کرو' کیا معلوم تم جس صبح یا شام کے منتظر ہو۔ وہ تمہیں نصیب ہو گی یا نہیں۔ اس لیے بیماری سے قبل صحت کو غنیمت جانو اور آخرت کے لیے اعمال صالحہ کا ذخیرہ کر لو' بیماری میں کچھ نہ ہو سکے گا۔ اسی طرح چار روزہ زندگی کو غنیمت جانو جو نیکی کر سکتے ہو کر لو۔ موت تمہارے تعاقب میں ہے نہ معلوم کب تمہیں اچک لے۔ اسی قسم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول بھی ہے:

(اِرْتَحَلَتِ الدُّنْيَا مُدْبِرَةً، وَارْتَحَلَتِ الآخِرَةُ مُقْبِلَةً، وَلِكُلٍّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُمَا بَنُونَ فَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الآخِرَةِ وَلاَ تَكُونُوا مِنْ أَبْنَاءِ الدُّنْيَا فَإِنَّ الْيَوْمَ عَمَلٌ وَلاَ حِسَابَ، وَغَدًا حِسَابٌ وَّلاَ عَمَلَ) (ذكره البخاري في ترجمة الباب من صحيحه، الرقاق، باب في الأمل وطوله)

"دنیا کا سفر جاری ہے اور آخرت تیزی سے آ رہی ہے' ان میں سے ہر ایک کے بیٹے (پرستار) ہیں پس تم آخرت کے بیٹے (چاہنے والو) بنو' دنیا کے بیٹوں (شیدائیوں) میں سے نہ بنو۔ آج عمل کا موقع ہے حساب نہیں' کل حساب ہو گا اور عمل کی فرصت نہ ہو گی۔"

۴۱۔ اطاعت رسول' ایمان کی علامت ہے

عَنْ أَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِاللهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ «لاَ يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ

حَتَّى يَكُونَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهِ»(حديث حسن صحيح رويناه في «كتاب الحجة» بإسناد صحيح)

سیدنا ابو محمد ٔعبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی دلی خواہشات میری لائی ہوئی شریعت اور دین کے تابع نہ ہوں۔" یہ حدیث حسن صحیح ہے کتاب الحجۃ میں بسند صحیح مروی ہے۔ [1]

تخريج: شرح السنة، باب رد البدع والأهواء، ح: ١٠٤ ومشكوٰة للألباني: ١/ ٥٩.

شرح الالفاظ: [لَا يُؤْمِنُ] کامل ایمان والا نہیں ہو سکتا۔ [هَوَاهُ] اس کی خواہشات نفس۔ [لِمَا جِئْتُ بِهِ] میں جو شریعت لے کر آیا ہوں۔

تشریح: قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بیشتر مقامات پر بڑی وضاحت کے ساتھ مسلمانوں کو رسول اکرم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حکم دیا گیا ہے۔ آپ کی اتباع ٔ اطاعت

---

[1] یہ حدیث ضعیف ہے اس کی سند میں نعیم بن حماد المروزی متکلم فیہ راوی ہے۔ اس کے بارے میں علمائے محققین کی مختلف آراء ہیں اگرچہ بعض ائمہ کرام نے ان کو تمسک بالسنہ اور مبتدعہ پر رد کی بنا پر ثقہ بھی قرار دیا ہے لیکن حقیقت میں ضبط و اتقان اور حفظ روایات میں انتہائی کمزور تھے۔ ابن حجر رحمہ اللہ نے تقریب ۲۵۰/۲ میں ان کے بارے میں ان الفاظ سے تبصرہ کیا ہے: (صدوق ٔ یخطئی کثیرا) "صدوق لیکن کثیر الخطاء ہے۔"

یہ بہت سی ایسی ضعیف اور بے اصل روایات میں منفرد ہوتے ہیں جن کو ثقات ائمہ نے روایت نہیں کیا ہوتا ٔ لٰہذا کثیر الخطا اور اوہام کی بنا پر ان کا تفرد حجت نہیں۔ اسی لیے بعض ائمہ نے ان کی مختلف روایات پرکھنے کے بعد جب ان کو ضعیف روایات میں منفرد پایا تو ان پر ضعف کا حکم لگا دیا۔ لٰہذا زیر بحث حدیث کو امام نووی رحمہ اللہ کا صحیح قرار دینا محض وہم اور تساہل ہے۔ بلکہ حافظ ابن رجب حنبلی کے بقول اس حدیث کی تصحیح انتہائی بعید از قیاس ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے۔ (تھذیب التھذیب ۴۰۹/۱۰ ٔ جامع العلوم والحکم بتحقیق شعیب الارناؤوط ۳۹۴/۲ مشکوٰۃ للالبانی ۵۹/۱)

اور فرماں برداری ہی میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری ہے۔ اور ہدایت کو بھی آپ کی اطاعت سے ملزوم کیا گیا ہے۔ پیش نظر حدیث میں بھی تکمیل ایمان کی یہی بنیادی شرط بیان کی گئی ہے۔ ایک مومن کے صرف اعمال ہی نہیں بلکہ دل کی خواہش' آرزو اور تمنا بھی آنحضرت ﷺ کی تعلیمات' ہدایات اور احکام کے تابع ہونی چاہیئے۔ اور وہ کسی صورت میں بھی ان سے سرمو انحراف نہ کرے اور آپ کے فیصلہ اور حکم کو بلا چون و چرا دل کی خوشی سے تسلیم کر لے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا:

﴿ قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ ﴾ (آل عمران ۳/ ۳۱)

"آپ فرما دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔"

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت رسول' حب الٰہی کا ذریعہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے جو دین پیش کیا وہ ایک مکمل ضابطہ حیات اور دستور زندگی ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس کے بارے میں اسلام نے زریں ہدایات نہ دی ہوں۔ مومن کامل وہی ہے جو کوئی کام سرانجام دینے سے پہلے یہ سوچ کہ شریعت نے اس کے بارے میں کیا حکم دیا ہے۔ اور حکم آ جانے اور مل جانے کے بعد وہ بلاچون و چرا اسے شریعت کی روشنی میں انجام دے۔ جب تک کوئی شخص اپنے عزائم و اعمال اور اپنے جذبات و خواہشات کو ارشاداتِ نبوی کے تابع نہیں کرتا' اس کا اسلام و ایمان ناقص و نامکمل رہتا ہے۔

اس بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ کی خوشنودی حاصل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس سلسلہ میں انہیں اگر دنیوی نقصان اٹھانا پڑا تو اسے خوشی سے برداشت کیا یا اپنی طبیعت و مزاج کے خلاف کچھ کرنا پڑا تو انہوں نے اپنی پسند' خواہش و جذبہ کو آپ کے حکم و ہدایات پر قربان کر دیا۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک شخص سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے آیا۔ آپ نے وہ انگوٹھی دیکھی تو اسے نکال کر پھینک دیا اور فرمایا تم آگ کے انگارے لے کر اپنے ہاتھوں میں ڈالتے ہو؟ جب آپ محفل سے تشریف لے گئے تو ساتھیوں نے اس شخص سے

کہا: تم اپنی انگوٹھی اٹھالو اور اسے کسی دوسرے کام میں لاکر اس سے نفع اٹھالینا۔ اس نے کہا: اللہ تعالیٰ کی قسم! جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے پھینک دیا ہے اب میں اسے ہرگز نہ اٹھاوں گا۔ (صحیح مسلم' اللباس' باب تحریم خاتم الذهب علی الرجال' ح:۲۰۹۰)

اسی لیے پیش نظر حدیث میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تک انسان کی خواہشات و جذبات بھی میری ہدایات و تعلیمات کے تابع نہ ہوں گی کسی کا ایمان کامل نہیں ہو سکتا۔

۴۲۔ توبہ کی فضیلت اور رحمت الٰہی کی وسعت

عَنْ أَنَسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ ﷺ يَقُولُ: «قَالَ اللهُ تَعَالَى: يَاابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ مَا دَعَوْتَنِي وَرَجَوْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ عَلَى مَا كَانَ مِنْكَ وَلاَ أُبَالِي، يَاابْنَ آدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِي غَفَرْتُ لَكَ، يَاابْنَ آدَمَ! إِنَّكَ لَوْ أَتَيْتَنِي بِقُرَابِ الأَرْضِ خَطَايَا ثُمَّ لَقِيتَنِي لاَ تُشْرِكُ بِي شَيْئًا لأَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا مَغْفِرَةً»(رواه الترمذي وقال: حديث حسن)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا اور مجھ سے امیدیں وابستہ رکھے گا تیرے اعمال جیسے بھی ہوئے میں تجھے معاف کرتا رہوں گا اور مجھے تیرے گناہوں کی کوئی پروا نہیں۔ اے ابن آدم! تیرے گناہ آسمان کی بلندیوں تک بھی پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی مانگے تو میں تجھے معاف کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو اتنے گناہ کر آئے کہ روئے زمین بھر جائے تو میں تیری اتنی ہی مغفرت کردوں گا بشرطیکہ تو نے شرک نہ کیا ہو۔"

تخريج: جامع الترمذي، الدعوات، باب الحديث القدسي: "يابن آدم إنك ما دعوتني..."، ح: ٣٥٤٠.

شرح الالفاظ: [آدَمَ] ابوالبشر علیہ الصلوۃ والسلام [مَا دَعَوْتَنِي] ما مصدریہ ظرفیہ ہے۔ یعنی تو جب تک مجھے پکارتا رہے گا۔ [عَلٰی مَا كَانَ مِنْكَ] تیرے اعمال خواہ کیسے ہی ہوں۔ [وَلاَ أُبَالِي] مجھے تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں۔ [عَنَانَ السَّمَآءِ] عنان بادل یا بلندی۔ مراد یہ کہ خواہ تیرے گناہ زمین و آسمان کے درمیان خلا ہی کو کیوں نہ بھر دیں۔ [بِقُرَابِ الاَرْضِ] زمین کو بھر دینے والے اعمال۔ [لَاَتَيْتُكَ بِقُرَابِهَا] یہ لفظ محض مقابلہ میں استعمال ہوا ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس سے کہیں زیادہ ہے۔

تشریح: پیش نظر حدیث قدسی میں اللہ تعالیٰ کی مغفرت کی وسعت اور اس کی رحمت کا بیان ہے کہ اللہ کریم اپنے بندوں پر ازحد مہربان ہیں۔ جب انسان سے کوئی غلطی یا گناہ سرزد ہو جائے' وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا امیدوار ہو تو اللہ کریم اسے معاف فرما دیتا ہے۔ حتی کہ اگر انسان کے گناہ آسمانوں کی بلندیوں تک بھی جا پہنچیں اور وہ صدقِ دل سے تائب ہو کر اللہ تعالیٰ سے طالب مغفرت ہو تو اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔"

«سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي»(صحيح مسلم، التوبة، باب في سعة رحمة الله وأنها تغلب غضبه، ح: ٢٧٥١)

جب انسان اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کرے تو فلاح پا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو توبہ کرنے کا حکم دیا ہے:

﴿ وَتُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ ٱلْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾ ﴾

(النور٢٤/ ٣١)

"اے مومنو! تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر گناہوں کی معافی مانگو اور توبہ کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔"

انسان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و ناامید نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے

صرف کافر ہی ناامید ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو حکم دیا:

﴿ نَبِّئْ عِبَادِيٓ أَنِّيٓ أَنَا ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٤٩﴾ ﴾ (الحجر ۱۵/ ۴۹)

"میرے بندوں کو بتادیں کہ میں بڑا مہربان اور بخشنے والا ہوں۔"

﴿ قُلْ يَٰعِبَادِيَ ٱلَّذِينَ أَسْرَفُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا۟ مِن رَّحْمَةِ ٱللَّهِ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ يَغْفِرُ ٱلذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ إِنَّهُۥ هُوَ ٱلْغَفُورُ ٱلرَّحِيمُ ﴿٥٣﴾ ﴾ (الزمر ۳۹/ ۵۳)

"اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے اوپر ظلم وزیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو وہ تو ہر قسم کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ بے شک وہی نہایت بخشنے والا مہربان ہے۔"

اللہ تعالیٰ کی رحمت کی وسعت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ کی رحمت کے سو حصے ہیں ان میں سے صرف ایک حصہ دنیا کے انسانوں، جنوں، جانوروں اور تمام مخلوق میں تقسیم کیا ہے۔ اسی ایک حصہ ہی کی بنا پر یہ تمام ایک دوسرے پر شفقت و رحمت کرتے ہیں۔ باقی ننانوے حصے اللہ کے پاس ہیں۔ ان کے ذریعے اللہ قیامت کے دن اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔ (صحیح مسلم، التوبة، باب فی سعة رحمة اللّٰہ، ح: ۲۷۵۲)

ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تاکہ دن میں گناہ کرنے والا رات کی تاریکی میں توبہ کر لے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دن کو بھی اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تاکہ رات کی تاریکی میں گناہ کرنے والا دن کے اجالے میں توبہ کر لے۔ یہ عمل ہمیشہ ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو۔ اس کے بعد توبہ قبول نہ ہو گی۔ (صحیح مسلم، التوبة باب قبول التوبة من الذنوب..... ح: ۲۷۵۹)

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا اعْتَرَفَ بِذَنْبٍ ثُمَّ تَابَ، تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِ»(صحيح مسلم، التوبة، باب في حديث الإفك. . . ، ح: ٢٧٧٠)

"بندہ گناہ کا اعتراف کرنے کے بعد توبہ کر لے تو اللہ اسے معاف فرما دیتا ہے۔"

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "ہر انسان خطا کار ہے تاہم بہترین خطا کار وہ ہے جو توبہ کر لے۔" (سنن ابن ماجة الزهد باب ذكر التوبة، ح: ۴۲۵۱)

علم حدیث، افکار و علوم اسلامی میں ایک ممتاز فضیلت کا حامل ہے۔ جمع و ترتیب حدیث میں محدثین نے جس اخلاص اور جانفشانی کا ثبوت دیا ہے، اس کے نتیجے میں امت کے پاس روایت اور اسانید کے اعتبار سے صحیح ترین ذخیرہ موجود ہے جو اتباع سنت کی ایک ناگزیر اساس ہے۔ تاثیر علم اور حسن عمل کے نقطۂ نظر سے ذخیرۂ حدیث کو متعدد اقسام میں ترتیب دیا گیا ہے جن میں ایک مقبول قسم کو ''الاربعین'' کا نام دیا گیا ہے جس میں مختلف موضوعات کی نسبت سے چالیس احادیث کو جمع کیا جاتا ہے تاکہ ان کو حفظ کرنے، یاد رکھنے اور عمل کرنے میں سہولت ہو۔ اربعین نویسی کی اسی روایت کا ایک ممتاز نام امام نووی رحمہ اللہ کا ہے جن کی مرتبہ اربعین کو قبولیت کا بہت بڑا درجہ حاصل ہے۔ اس مجموعے کی اردو زبان میں ایک جامع شرح پیش خدمت ہے جس سے علماء، خطباء، اساتذہ، طلبہ اور عامۃ المسلمین یکساں فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ ادارہ دارالسلام اس مجموعے کو حسن طباعت کی فنی لطافتوں کے ساتھ پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور
لندن • هیوسٹن • نیو یارک

ISBN : 9960-861-83-X